جلد ۷۵ ماہ جمادی الاول ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۵۵ع عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

انگریزی حکومت پر یہ بڑا الزام تھا کہ اس کا بنایا ہوا نظام تعلیم خالص اس کے اغراض کے مطابق تھا، جس میں ہندوستانیوں کی قومی و ملکی ضروریات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا، اس لئے اسی زمانہ سے اسکی مخالفت شروع ہو گئی تھی، اور تعلیم کو قومی بنانے کا مطالبہ ہونے لگا تھا، ابتدائی بنیادی تعلیم کے مسئلہ میں قریب قریب اسی قسم کی صورت حال مسلمانوں کو در پیش ہے، انگریزوں کے زمانہ میں اعلیٰ تعلیم تو بلاشبہ حکومت کے مصالح کے مطابق تھی، مگر ابتدائی تعلیم تمام تر ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ اس زمانہ میں بھی یہ تعلیم مسلمانوں کے جذبات و خیالات سے بالکل خالی اور ہندوؤں کے تہذیبی رنگ و مذاق کی تھی، مگر لازمی نہ تھی، اس لئے مسلمان اس سے کم فائدہ اٹھاتے تھے، لیکن ایک حد تک اس کی تلافی اردو کے اسکولوں اور قدیم طرز کے مکاتب اسلامیہ سے ہو جاتی تھی، مگر اب اردو تعلیم سے بالکل خارج کر دی گئی ہے، اور جن شرائط کے ساتھ اس کی تعلیم کی اجازت ہے اس پر بھی عمل نہیں ہو رہا ہے، اس کے نصاب کی کتابیں محض نام کے لئے اردو کی ہیں، ان کی زبان نہایت خراب ہندی نما اور ان کے خیالات و مضامین تمام تر ہندو تہذیب و روایات پر مشتمل ہیں، مکاتب اسلامیہ کا پرانا نظام محض برائے نام رہ گیا ہے، اور بنیادی تعلیم تمام تر ہندی زبان اور ہندو کلچر کے رنگ میں رنگ دی گئی ہے جس میں اسلامی اثر کا کوئی شائبہ نہیں ہے، اس کا نصاب طریقۂ تعلیم اور اساتذہ سب کے سب ہندو تہذیب کے ترجمان و مبلغ ہیں، اور یہ تعلیم لازمی بھی ہو گئی ہے، اور مسلمان بچے اس کو حاصل کرنے پر مجبور ہیں، ایسی حالت میں جو لڑکے اسی تعلیم پر پروردہ ہوں گے، ان کا انجام کیا ہوگا، وہ ان کو اپنے مذہب اور اپنی تہذیب و روایات سے کیا علاقہ رہ جائے گا،

* * *

ہندوستان کی سیکولر اور جمہوری حکومت نے تمام فرقوں اور اقلیتوں کو اپنی مذہبی اور تہذیبی خصوصیات کو قائم رکھنے کا پورا حق دیا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان کی بنیادی تعلیم ان کی ان ضروریات کے مطابق ہو، اس لئے یہ مسئلہ تنہا مسلمانوں کا نہیں، بلکہ ہندوستان کی تمام اقلیتوں کا ہے، اگر دوسرے فرقوں کے لئے اس مسئلہ کا حل زیادہ مشکل نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کے حالات نے اس کو ان کے لئے بہت دشوار بنا دیا ہے، ان حالات کے پیش نظر جمعیۃ العلماء اس مسئلہ پر غور کرنے اور اس کا حل تلاش کرنے کے لئے ۳۰ و ۳۱ جنوری کو بمبئی میں ایک آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن منعقد کر رہی ہے جس میں ہر طبقہ کے علماء و مفکرین، ماہرین تعلیم اور اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والوں کو شرکت کی دعوت دی ہے، افسوس ہے کہ راقم خصوصی دعوت کے باوجود بعض مجبوریوں کی بنا پر اس اہم کنونشن کی شرکت سے محروم رہا،

* * *

ہندوستانی مسلمانوں کی دو حیثیتیں ہیں، ایک مذہبی و ملی، دوسری قومی اور وطنی، اور ان پر ان دونوں کے حقوق و فرائض ہیں، اور وہ ان کو اسی وقت ادا کر سکتے ہیں جب ان کی مذہبی و قومی تعلیم میں توازن ہو تاکہ وہ اپنی مذہبی تہذیبی خصوصیات کو بھی برقرار رکھ سکیں، اور ہندوستانی قومیت اور وطنیت سے بھی بے گانہ نہ ہوں، اور ملک و وطن کی محبت اور خدمت میں، ان کا قدم کسی سے پیچھے نہ رہے، ایک مسلمان ملک کا اسی وقت سچا خادم بن سکتا ہے جب وہ اپنی دینی روح سے آشنا اور سچا مسلمان ہو، اس لئے کہ مذہب خود وطن کی محبت کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ ہندوستان کی آزادی کی جد و جہد میں انہی مسلمانوں کا زیادہ حصہ رہا ہے، جو مذہبی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے قومی و وطنی نقطۂ نظر سے بھی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم ضروری ہے، گو اس کے لئے کسی عمر کی قید نہیں، لیکن عقائد و خیالات کا نقش ابتدا ہی سے بیٹھتا ہے، اس لئے ابتدائی تعلیم ہی سے دینی تعلیم کی بنیاد پڑنا ضروری ہے، مگر سیکولر حکومت مذہبی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتی، اس لئے مسلمانوں کو خود اس کا نظام قائم کرنا ہوگا،

* * *

مگر یہ کام محض چند مقامات پر دینی مکاتب قائم کر دینے یا مذہبی نصاب تیار کر دینے سے انجام نہیں پا سکتا، بلکہ پورے ہندوستان میں اس کا مکمل نظام قائم کرنے کی ضرورت ہوگی، جو مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور بے عملی کو دیکھتے ہوئے آسان نہیں ہے، لیکن اب اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے، اگر مسلمان اس تعلیم کا انتظام خود نہیں کرتے، اور ان کے بچے صرف سرکاری بیسک تعلیم پر پروردہ ہوتے ہیں، تو ان کی آیندہ نسلیں محض نام کی مسلمان رہ جائیں گی، اور ان میں نام کے علاوہ ان کے مذہب و تہذیب کی کوئی نشانی باقی نہ رہ جائیگی، اس لئے کنونشن کی تجویزوں کے مطابق جمعیۃ العلماء کی نگرانی میں اس نظام کو بہر حال قائم کرنا ہے،

* * *

اتر پردیش میں حکومت کی تھوڑی سی توجہ و امداد سے اس صوبہ میں اس کام میں آسانی ہو سکتی ہے، اس کے لئے کسی رعایت کی ضرورت نہیں بلکہ مسلمانوں کو جو تعلیمی حقوق حاصل ہیں ان کو عملاً پورا کیا جائے، مثلاً اگر مسلمان اردو کی تعلیم کے شرائط کے مطابق اس کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو اس میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے، اور ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، اس کے نصاب کی معیاری کتابیں مہیا کی جائیں، اسلامی مکاتب کا پرانا نظام جسکو رفتہ رفتہ ختم کیا جا رہا ہے، باقی رکھا جائے، اور اسکو ترقی دی جائے اور ڈسٹرکٹ بورڈوں

اور میونسپلٹیوں کو ان کے قائم رکھنے پر مجبور کیا جائے اگر مصارف کی زیادتی کا عذر ہو تو اس مد کی رقم میں اضافہ کیا جائے جب تعلیم کے تمام شعبوں میں توسیع و ترقی اور اُن کے مصارف میں اضافہ ہو رہا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی مکاتب کے مصارف میں تخفیف کیجائے یا ان کو سرے سے ختم کر دیا جائے، اصولاً اس میں بھی اضافہ ہونا چاہیے، ان مکاتب میں مسلمانوں کی مخصوص تعلیم کے ساتھ دوسرے ضروری مضامین بھی بڑھائے جائیں، اور اُن کا درجہ بیسک سکولوں کے برابر مانا جائے، تاکہ مسلمان بچوں کو آیندہ تعلیم میں دشواری نہو، اگر حکومت ان مطالبات کو جو مسلمانوں کا تسلیم شدہ حق ہے عملاً مان لے، تو اس صوبہ میں مسلمانوں کی بنیادی تعلیم کا مسئلہ نسبتہً آسان ہو جائیگا مگر اسکی امید نہیں ہے، اگر حکومت کی نیت نیک ہوتی، تو یہ مشکلات ہی نہ پیش آتیں، اسلئے مسلمانوں کو یہ کام اپنی قوت و ہمت کے بھروسہ پر کرنا ہے ورنہ ان کی مذہبی و تہذیبی خصوصیات کے ساتھ ان کا ملی وجود باقی نہیں رہ سکتا،

———— ———— ————

سر شانتی سروپ بھٹناگر کی موت ہندوستان کا بڑا قومی حادثہ اور علمی نقصان ہے، انکی موت سے ہندوستان ایک بڑے ماہر سائنس دان سے محروم ہو گیا، وہ سائنس کے عالم ہونے کیساتھ اردو کے خوش مذاق ادیب و شاعر بھی تھے، جس کا اجتماع کم ہوتا ہے، یہ ذوق ان کو اپنے نامور نانا سے ورثہ میں ملا تھا، وہ غالب کے مشہور و محبوب شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ کے نواسے تھے جن کو غالب محبت میں مرزا تفتہ کہا کرتے تھے، مکاتیب غالب میں ان کے نام کے بہت سے خطوط ہیں، سر شانتی اردو شاعری کا بڑا ستھرا مذاق رکھتے تھے، اُن کے کلام کا مجموعہ لاجونتی کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے، اردو زبان سے ان کو بڑی محبت تھی، اور غالباً وہ جامعہ اردو علی گڈھ کے عہدہ دار بھی تھے، اب ایسے خوش مذاق صاحب علم مشکل سے پیدا ہوں گے،

———— ———— ————

یہ خوشی کا مقام ہے کہ لکھنؤ میں انجمن ترقی اردو کی صوبائی شاخ قائم ہو گئی، پنڈت کشن پرشاد کول اس کے صدر حیات اللہ انصاری جنرل سکرٹری، پروفیسر احتشام حسین خزانچی، اور کئی نائب صدر اور جوائنٹ سکرٹری مقرر ہوئے، اس صوبہ میں اردو کا علمی کام اسی جماعت کو کرنا ہے، اسی نے اردو علاقائی زبان جیسی تحریک کو کامیاب بنایا، اور اب اسکولوں میں اردو کی تعلیم کو عملاً جاری کرانے کی کوشش کر رہی ہے اور آیندہ بھی اس قسم کے کام یہی جماعت انجام دیگی، اسلئے لکھنؤ میں صوبائی شاخ کے قیام کی بڑی ضرورت تھی، اس سے اس صوبہ میں اردو کے کاموں کو بڑی مدد ملے گی،

———— ———— ————

مقالات

حضرت شیخ سماء الدین دہلوی

از ڈاکٹر نذیر احمد ایم، اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ،

شیخ سماء الدین[1] کنبو ملتانی ثم دہلوی، نویں صدی ہجری کے اکابر مشائخ میں تھے، جو عوام سے بڑھ کر خواص میں اس حد تک مقبول تھے کہ سلاطین وقت اُن کے آستانے کی خاک کو طرۂ افتخار سمجھتے تھے،

پیدائش — سرزمین ملتان کو شیخ سماء الدین کی ولادت کا شرف حاصل تھا، مگر بدقسمتی سے اُن کی پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی، البتہ دوسرے اور واقعات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۸۰۰ھ ہجری کے قریب وہ پیدا ہوئے ہوں گے جسب ذیل قرائن اس قیاس کے مؤید ہیں،

(۱) خزینۃ الاصفیا[2] میں شیخ کبیر الدین اسماعیل کی وفات کا ۸۲۵ھ ہجری درج ہے، چونکہ شیخ سماء الدین نے شیخ کبیر ہی سے خرقۂ خلافت پایا تھا، اس لئے اُن کی وفات کے وقت اول الذکر کی عمر کسی حال میں ۲۰-۲۵ سے کم نہ ہوگی،

(۲) شیخ سماء الدین اپنے سفر گجرات کے موقع پر ۶۵ سال[3] کے تھے، وہاں سے واپسی اور ورود دہلی کے درمیان کم از کم دو اور مقامات[4] پر قیام کر چکے تھے، ایک رنتھمبور میں، دوسرے بیانے میں، بیانے میں شیخ اس

---

[1] چند جگہ یہ نام بہار الدین ملتا ہے، مثلاً فرشتہ ج ۲ ص ۷۰۸، اور طبقات اکبری کا ایک نسخہ، مگر یہ غلط ہے [2] ج ۲ ص ۷۵ "شاہ دین اکبر کبیر" تاریخ ہے، مگر یہ تاریخ شبہ سے خالی نہیں ہے [3] سیر العارفین نسخہ مملوکہ ڈاکٹر ہاشمی ورق ۱۲۵ الف [4] ورق ۱۲۳ الف، ۱۲۵ ب،

وقت مقیم تھے، جب وہان کا حاکم احمد جلوانی[۱] تھا، جو سلطان بہلول لودی سے الگ ہو کر سلطان حسین شرقی سے ملنا چاہتا تھا، تاریخون سے پتہ چلتا ہے[۲] کہ سلطان حسین اپنے بھائی محمود کو ہٹا کر ۸۶۵ھ ۔ ۸۶۶ھ مین تخت نشین ہو گیا، اور بہلول سے صلح کر لی، چنانچہ قطب خان لودی[۳] کو جو محمود شرقی کے ہاتھون گرفتار ہو گیا تھا، سات سال کی قید کے بعد رہا کیا، اس اعتبار سے قطب کی رہائی ۸۶۶ھ مین ہوئی، کچھ مدت بعد حسین شرقی نے پھر بہلول پر چڑھائی کی، مگر جلد ہی صلح ہو گئی، یہ مدت خاصی طویل ہو گی، اس لئے قیاس ہے کہ سلطان حسین کے حملے کو ۸۷۰ھ ہجری کے قریب کا تصور کرنا چاہئے، صلح کی میعاد تین سال کی تھی، اسی درمیان مین احمد جلوانی سلطان حسین سے ملنے کی فکر کر رہا تھا، اس سے شیخ سماء الدین کا قیام بیانہ[۴] ۸۷۳ھ ہجری کے قبل پوری طرح ثابت ہے، اس طرح اگر شیخ کی پیدائش ۸۰۰ھ ہجری سے کچھ قبل تسلیم کر لی جائے تو ان کا قیام گجرات ۸۶۵ھ کے قبل ثابت ہو جائے، اور گجرات، رنتھنبور اور بیانے کے قیام کی مدت تقریباً ۸ - ۹ سال کی ہو جائے، جو قرین قیاس ہے،

(۳) شیخ سماء الدین نے حضرت مخدوم جہانیان کے بھائی اور اپنے والد کے پیر و مرشد شیخ راجو قتال کو نہ صرف دیکھا تھا، بلکہ ان سے کسی[۵] حد تک مربوط بھی رہ چکے تھے، اگرچہ شیخ راجو کے انتقال کی صحیح تاریخ[۶]

[۱] سیر العارفین مین اور ایک طبقات اکبری مین (ج ۱ ص ۵۰۸ ترجمہ) سلطان احمد جلوانی درج ہے، مگر اول الذکر مین بھی ایک جگہ صرف احمد ہے، سلطان نام کا جز معلوم نہین ہوتا [۲] طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۰۴، فرشتہ جلد ۲ ص ۱۷۶، بدایونی، ج ۱ ص ۳۰۷ [۳] طبقات ج ۱ ص ۳۰۴ [۴] بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۷۵ھ کے قریب دہلی مین موجود تھے [۵] ملاحظہ ہو سیر العارفین ورق ۱۲ ب [۶] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۶۸ پر صاحب مدارج النبوۃ کے حوالے سے وفات کی تاریخ ۷ رجمادی الآخر ۸۳۳ھ ہجری، اور مبارک شاہ ابن خضر خان کا عہد درج ہے، (عہد رجب ۸۳۷ھ مین ختم ہو جاتا ہے) صاحب خزینۃ الاصفیا نے "صدر الدین محبوب" اور "ہادی دین متین" دو تاریخین بھی لکھی ہین، مگر یہ تاریخ مشکوک ہے، کیونکہ (۱) اسی تذکرہ مین شیخ کبیر الدین اسمٰعیل کی تاریخ

معلوم نہین، مگر اخبار الاخیار مین ان کا ذکر دو بزرگون کے درمیان ہے، جن مین پہلے یعنی شیخ نور الدین کی وفات ۸۱۳ھ مین اور دوسرے یعنی شیخ اختیار الدین عمر کی ۸۱۹ھ مین ہوئی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شیخ راجو کا انتقال ان ہی ایام مین یعنی ۸۱۳ھ کے اندر ہوا ہوگا، ۸۱۳ھ ہجری کے قریب انتقال پانے والے شیخ سے ارتباط رکھنے والے کی پیدائش ۸۰۰ھ سے قبل فرض کرنا پڑے گی،

(۴) اخبار الاخیار[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے طویل عمر پائی تھی، اگرچہ طویل عمر کا فقرہ مبہم ہے، پھر بھی قیاس ہوتا ہے کہ وہ سو سال سے کم نہ رہے ہون گے، چونکہ سنہ وفات بالاتفاق[۲] ۹۰۱ھ ہجری ہے، اس لئے ۸۰۰ھ کے کچھ قبل تاریخ پیدائش متعین ہو سکتی ہے،

والد اور بچپن کے حالات

سیر العارفین[۳] مین ایک واقعہ کے ضمن مین شیخ سماء الدین کے والد ماجد کا ذکر آ گیا ہے، چونکہ اس کے راوی خود شیخ موصوف ہین، اس لئے اس کی صحت مشکوک و مشتبہ بھی نہین سمجھی جا سکتی، اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی خواجہ بدھ فتح اللہ تھا، ایک بار انھون نے اپنے ایک پڑوسی ملک نامی کی انتہائی منت و سماجت پر اس کی جاگیر کی درستی محصول کی ذمہ داری قبول کر لی، لیکن چند دنون بعد سلطان المشائخ سید صدر الدین کو خواب مین دیکھا کہ وہ اس کام سے منع فرماتے ہین

(بقیہ حاشیہ ص ۶) وفات ۸۲۵ھ ہجری لکھی ہے، حالانکہ سیر العارفین ورق ۲۱ الف مین شیخ سماء الدین کے حوالہ سے شیخ راجو کا انتقال پہلے بتایا گیا ہے (۲) کسی تذکرہ مین شیخ راجو کی طویل عمر نہین بتائی گئی ہے، حالانکہ ۸۳۰ھ ہجری تک بقید حیات رہنے کے معنی یہ ہین کہ کم از کم ۵۲ سال تک صاحب سجادہ تھے (۳) دونون بھائیون کی عمرون مین کافی تفاوت ملتا ہے، حضرت مخدوم جہانیان ۷۸۵ھ ہجری مین ۷۸ سال کی عمر مین فوت ہوئے (اخبار الاخیار ص ۱۴۳) لیکن امکان اس کا بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ کبیر ہی کی وفات کا سنہ غلط ہو، اس صورت مین شیخ راجو کے سنہ وفات کے مشتبہ ہونے کا کوئی قوی قرینہ باقی نہین رہتا، بہرحال شیخ سماء الدین کی پیدائش پر ان اختلافات کا کوئی خاص اثر نہین ہوتا، [۱] ص ۲۱۱ [۲] ایضاً [۳] ورق ۸۰ ب،

چنانچہ خواجہ فتح اللہ اس کام کو چھوڑ کر اپنے گھر لوٹ گئے، لیکن مالک کی دوبارہ منت سے مجبور ہو کر خواجہ کو اس کی جاگیر پر پھر جانا پڑا، لیکن اسی دن بالاخانہ پر وضو کر رہے تھے کہ سلطان المشائخ نمودار ہوئے، اور انھوں نے خواجہ بدھ کو نیچے ڈھکیل دیا، خواجہ بچ گئے، لیکن اس کام سے علیحدگی اختیار کر کے اہل اللہ کے زمرے میں داخل ہو گئے، اور شیخ راجو قتال سے رابطۂ ارادت استوار کر کے سہروردیہ سلسلہ میں شامل ہو گئے، معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سماء الدین بھی باپ کے ہمراہ شیخ راجو کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، سیر العارفین میں ہے[۵۱]،

"چنین استماع است کہ پدر بزرگوار ایشان مرید و مربوط حضرت محبوب العارفین و مطلوب المحققین حضرت سید صدر الدین[۵۲] محمد بن سید احمد المعروف بہ شیخ راجو قتال بود، اگرچہ حضرت مخدومی مرشدی و مولائی شیخ سماء الملۃ والدین قدس سرہ مربوط و محبوب ایشان بودند لیکن خرقۂ خلافت و ارشاد از حضرت شیخ الاسلام زبدۂ مشائخ عظام کبیر[۵۳] الدین اسماعیل کہ ظاہر و باطن آئینہ انوار نبوی و مظہر آثار مصطفوی بود داشتند"

شیخ سماء الدین کو بچپن سے عبادت میں جس قدر شغف تھا[۵۴] اس کا حال سیر العارفین میں خود شیخ کے حقیقی بھائی شیخ اسحاق کے حوالہ سے بیان ہوا ہے، بارہ سال کی عمر سے تہجد کی نماز کبھی فوت نہیں ہوئی، شیخ جمالی نے خود شیخ سماء الدین سے ایک[۵۵] واقعہ نقل کیا ہے، کہ جب بارہ برس کے ہوئے تو ان کے والد آدھی رات کے وقت اپنے پاس بلاتے اور طرح طرح کی نصیحتیں کرتے اور یہ دعا مانگتے،

---

[۵۱] ورق ۱۲۰ ب [۵۲] انھوں نے اپنے والد سید احمد کبیر سے ارادت و خلافت پائی، اپنے بھائی مخدوم جہانیان سید جلال بخاری کے بھی خلیفہ تھے، ان کی وفات کے بعد ۷۸۵ھ میں سجادۂ خلافت بھی مل گیا، ہمیشہ عالم استغراق میں رہتے، ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۵۴، و سیر العارفین ورق ۱۱۶-۱۱۷ و تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱ [۵۳] حضرت مخدوم جہانیان کے پوتے، اور حضرت شیخ راجو قتال کے شاگرد و خلیفہ تھے، عوارف کو انھوں نے شیخ سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا، ان کے دو صاحبزادے شیخ عبد الشکور اور شیخ عبد الغفور بڑے صاحب حال اہل کمال

"الٰہا! بادشاہا! سماء الدین را از کرم عمیم خود ابواب سعادت ابدی، و اسباب دولت سرمدی مفتوح و میسر گردان"

شیخ سماء الدین خاندان کنبوہ[۵۶] کے چشم و چراغ تھے، شیخ جمالی جو ان کے عزیز قریب[۵۷] شاگرد و داماد[۵۸] بھی تھے، وہ دہلی کے اسی خانوادہ کے ایک فرد تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملتان اور دہلی کے ان دو کنبوہ خاندانوں میں عرصہ سے رشتہ داری قائم ہوتی چلی آرہی تھی،

استاد

اخبار الاخیار[۵۹] سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ موصوف کے استاذ مولانا شماء الدین[۶۰] تھے، جو میر شریف جرجانی کے بھی شاگرد رہ چکے تھے، مگر سیر العارفین[۶۱] میں مولانا شماء الدین کو مولانا فتح اللہ ملتانی[۶۲] کا استاد بتایا گیا ہے، اور تعجب یہ ہے کہ اس واقعہ کے فوراً ہی بعد[۶۳] مولانا سماء الدین کے حوالہ سے خود ان کے باپ خواجہ بدھ فتح اللہ کا ذکر ملتا ہے مگر کہیں بھی ایسا جملہ نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ شیخ سماء الدین یا ان کے والد خواجہ بدھ نے مولانا

(بقیہ حاشیہ ص ۸) گذرے ہیں، ملاحظہ ہو سیر العارفین ورق ۱۱۷-۱۱۸ و تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۸ [۵۴] ورق ۱۲۰ اب

[۵۵] سیر العارفین ورق ۱۲۱ اب؛

[۵۶] تذکروں میں بشمول سیر العارفین خاندانی نسبت مذکور نہیں، مگر تاریخوں میں موجود ہے [۵۷] و [۵۸] تذکرہ ریاض الشعرا (نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی) ورق ۸۰، پر شیخ سماء الدین کو شیخ جمالی کا خالو بتایا ہے، مگر مخزن افغانی میں شیخ جمالی کو داماد بتایا گیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۱۰۲) [۵۹] ص ۲۱۱ [۶۰] اخبار الاخیار میں اس لفظ کا املا "ش" سے ہے، مگر سیر العارفین کی بازشت "س" سے آیا ہے [۶۱] ورق ۶۰ ببعد ...... [۶۲] ملتان کے بہت بڑے فاضل تھے، اس شہر کے بیشتر علما انہی کے شاگرد تھے، شیخ جمالی سے بڑا اتحاد و ارتباط تھا، ان کے دو ممتاز شاگرد مولانا عزیز اللہ، اور مولانا امام الدین اس شہر میں بڑے نامور تھے، ان دونوں سے شیخ جمالی کے خصوصی تعلقات کا پتہ چلتا ہے، ملاحظہ ہو سیر العارفین ورق ۶۶، ۶۷،

[۶۳] ورق ۶۰ ب،

ثناء الدین کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ہو، البتہ آخرالذکر کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان العلماء والصلحا، مولانا ثناء الدین بڑی صلاحیت کے عالم تھے، چند سال شیراز میں رہ کر سید شریف سے بھی علوم حاصل کر کے اپنے ہم عصروں میں بے حد ممتاز ہو گئے، اُن کے والد قطب الدین بہرام تھے، جو کبر سن تک لاولد تھے، کلام اللہ کے حافظ تھے، ہر شب جمعہ کو حضرت بہاء الدین زکریا، اور اُن کے صاحبزادے حضرت صدرالدین کے مقبرے پر حاضر ہوتے اور ایک ختم قرآن کے بعد واپس آتے، ایک شب ختم کلام کے بعد غنودگی طاری ہوئی حضرات شیخ صدرالدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ خرمے دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک خود کھاؤ اور دوسرا اپنی زوجۂ محترم کو کھلادو، انشاء اللہ تم کو فرزند نیک بخت حاصل ہوگا" ابھی اس جگہ سے نکل رہے تھے کہ ایک اور بزرگ نے دو خرمے دیئے، ان دونوں کے حسب ارشاد عمل کرنے کا نتیجہ مولانا ثناء الدین کی ذات بابرکات تھی، شیخ جمالی نے اس واقعہ کو خود مولانا ے مذکور کے شاگرد مولانا فتح اللہ سے سُنکر نقل کیا ہے اور آخرالذکر نے خود اپنے شاگرد سے یہ باتیں سنی تھیں،

بہرحال شیخ سماء الدین نے خواہ مولانا ثناء الدین سے علم حاصل کیا، یا کسی اور بزرگ سے، یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے علوم ظاہری میں بھی کافی دستگاہ پیدا کر لی تھی، اور ان کا معمول تھا کہ ہر روز[19] نماز چاشت سے دوپہر تک تفسیر، حدیث، اور اصول فقہ کا درس دیتے، جس میں اکابر علماء شریک ہوتے، ایک بار[20] اُن کی یہ بھی خواہش ہوئی کہ علوم ظاہری سے پوری طرح بے تعلق ہو جائیں، مگر اپنے پیر و مرشد کے حکم سے ان علوم سے دلچسپی باقی رکھنا پڑی،

خرقۂ ارادت اخبار الاخیار[21] میں لکھا ہے کہ شیخ سماء الدین شیخ کبیر نبیرۂ سید جلال الدین بخاری کے مرید تھے، اور سیر العارفین[22] سے اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے، چنانچہ جیسا اشارہ ہو چکا ہے بچپن میں ان کے والد خواجہ بدھ نے انھیں بھی شیخ راجو کا معتقد کر دیا تھا لیکن باقاعدہ ان سے خلافت نہیں ملی تھی، ان کی وفات

---

[18] ورق ۱۰۰، [19] سیر العارفین ورق ۱۲۲ ب [20] ورق ۱۲۲ [21] ص ۱۲۱ [22] مشائخ دکھیو ورق ۱۲۱ وغیرہ،

کے بعد شیخ سماء الدین نے حضرت شیخ المشائخ شیخ کبیر الدین اسمٰعیل کی طرف رجوع کیا، سیر العارفین میں خود شیخ مذکور کے حوالہ[1] سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام صدرالدین محمد المعروف بہ شیخ راجو قتال (جو حضرت شیخ کے والد کے پیر و مرشد تھے) کے انتقال کے بعد وہ ایک روز حضرت کبیر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر شفقت و مرحمت کے طالب ہوئے، حضرت شیخ کبیر نے ایک دوسرے صوفی درویش شیخ فضل اللہ کا ذکر کیا، اور اُن سے خرقۂ خلافت دلانے کا وعدہ کیا، لیکن شیخ سماء الدین نے کچھ بھی نہ کہا اور مکان واپس چلے آئے، کچھ دنون بعد پھر شیخ کبیر کے آستانہ پر گئے، اور وہی درخواست پیش کی، مگر شیخ نے گذشتہ موقع کی طرح پھر شیخ فضل اللہ کا تذکرہ کیا، اس پر شیخ سماء الدین نے کہا کہ

"پیری و مریدی و مرشدی و مسترشدی بہ رابطۂ قلبی و فرط محبت نہادہ اند و من این معنی نسبت حضرت مخدومی مستحکم و مستقیم می یابم"

اس جواب سے شیخ کبیر اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً اٹھ کر اُن سے بغلگیر ہوئے، اور حجرۂ خاص میں لیجا کر تلقین و ذکر شروع کیا ان ہی ایام[2] میں شیخ سماء الدین کے دل میں ترک علم ظاہری کا خیال راسخ ہو گیا تھا شیخ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اساس دین کی بنیاد علم ظاہری پر ہے، اس لئے اس کو ترک کرنے کا خیال ختم کر دینا چاہیئے،

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ سماء الدین کا تعلق سہروردیہ سلسلے سے تھا، سیر العارفین میں شیخ کے مرید شیخ جمالی نے اپنے اس تعلق[3] کا تفصیلی ذکر کیا ہے، اور اپنے سلسلے کے بزرگان شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ صدرالدین، سید جلال الدین وغیرہ کا حال بڑی دلچسپی اور عقیدتمندی سے لکھا ہے، خزینۃ الاصفیا[4] میں لفظ سہروردیہ اُن کے نام کے ساتھ شامل بھی کر

---

[1] سیر العارفین ورق ۱۲۱ وغیرہ [2] ایضاً ورق ۱۲۲ [3] ملاحظہ ہو سیر العارفین ورق ۱۴ - ۱۵ - بغداد کے قیام کے دوران میں شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور حضرت ابو حنیفہ کے مزارات کی زیارت کے موقع پر اور شیخ سہروردی حضرت کے صاحب سجادہ شیخ شہاب الدین احمد کے استفسار کے جواب میں،
[4] ج ۲ ص ۴۶، ۴۷،

ملتان سے روانگی اور ناگور مین قیام

ہندوستان کی علمی و تمدنی تاریخ مین ملتان کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے، اس سرزمین مین سینکڑون ایسے علماء و فضلا پیدا ہوئے، جن کی وجہ سے سارے ہندوستان مین علم کا چراغ روشن ہوا، نوین صدی ہجری مین بھی اس خطے نے اپنی قدیم روایات قائم رکھین، شیخ سماء الدین نے ایسے ہی علمی و ادبی ماحول مین نشو و نما پائی تھی، اُن کی زندگی کا بیشتر حصہ یہیں بسر ہوا، یہیں انھون نے ظاہری علوم حاصل کئے، اور یہیں باطنی علوم مین کمال حاصل کرکے اکابر مشائخ مین شامل ہوئے، لیکن چند وجوہ سے انھین اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اخبار الاخیار مین[1] ہے کہ

"از ملتان بنابر بعضے وقائع کہ دران دیار واقع شدہ برآمد"

منتخب التواریخ[2] مین مولانا عبد اللہ الہ داد طلبنی کے وطن چھوڑنے کی وجہ خرابی ملتان" لکھی ہے، مولانا مذکور شیخ سماء الدین کے ہم عصر تھے، قیاس ہے کہ صاحب اخبار الاخیار کے "بعضے وقائع" اور صاحب منتخب کی "خرابی ملتان" سے ایک ہی چیز مراد ہوگی،

وطن سے روانگی کے وقت شیخ سماء الدین کی عمر ۷۰ سال سے کچھ زیادہ رہی ہوگی، قیاس ہوتا ہے کہ یہان سے نکل کر وہ ناگور آئے، اور کچھ دنون قیام کرکے گجرات چلے گئے، اس وقت اُن کی عمر ۷۵ سال کی تھی، اس طرح اُن کے وطن سے نکلنے کی تاریخ ۸۶۶ھ ہجری کے قریب ہوگی، سیر العارفین سے پتہ چلتا ہے کہ وطن سے نکلنے کے بعد چار مقام پر ان کا قیام رہا، اُن مین ناگور سب سے پہلے آتا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملتان سے سیدھے اسی مردم خیز خطے مین وارد ہوئے ہونگے، یہان کے قیام کا صرف ایک واقعہ سیر العارفین مین[3] درج ہے، ایک عورت شیخ کی بڑی عقیدت مند تھی، اس کے پاس ایک گائے تھی، اس کا دودھ، دہی وغیرہ شیخ کی خدمت مین بھیجا کرتی تھی، ایک رات چور اُسے چرا لے گئے، اُس نے یہ واقعہ شیخ سے کہا، وہ عشاء کی نماز مین تھی کہ اُس نے سُنا گویا شیخ فرما رہے ہین کہ تمھاری گائے آگئی ہے، نماز کے بعد اُس نے وہ گائے اپنے صحن مین پائی،

[1] ص ۲۱۱ [2] ج ۳ ص ۳۲۳ [3] ورق ۱۲۰، ۱۲۱،

سفر گجرات

ناگور مین کچھ دنون قیام کے بعد شیخ سماء الدین گجرات کی طرف چلے گئے[1]، اُس وقت اُن کی عمر ۷۵ سال کی تھی، اس لحاظ سے اُن کا سفر ۸۷۱ھ ہجری کے قریب ہوا ہوگا، گجرات کے قیام مین اُن کی ملاقات شیخ وجیہ الدین[2] احمد سے ہوئی جو بقول صاحب سیر العارفین[3] اُس وقت ۱۲۰ سال یا ۱۲۳ سال کے تھے، وہ علوم ظاہری مین "ابو حنیفۂ وقت" اور علوم باطنی مین "بایزید زمانہ" تھے، شیخ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انھون نے اُن کے ساتھ باوجود ناشناسائی کے ایسا برتاؤ کیا، جو کوئی خورد اپنے بزرگ کے ساتھ کرتا ہے، حالانکہ دونون کی عمر مین تقریباً ۵۰ سال کا فرق تھا، اور اپنا ایک خاص مصلا شیخ سماء الدین کی خدمت مین پیش کیا،

اخبار الاخیار[4] مین متاخرین مشائخ گجرات مین وجیہ الدین نام کے ایک بزرگ کا حال درج ہے، مگر ان دو ہم نام بزرگون کے حالات کے مقابلے سے یہ حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے کہ دونون دو الگ الگ شخص تھے جن کے زمانون مین

[1] سیر العارفین ورق ۱۲۴ - ۱۲۵ - [2] ان کے والد کا نام ملک اختیار الدین محمد تھا، جو فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہند کے عزیز قریب تھے، باپ کی وفات کے بعد بہت زیادہ دولت و ثروت کے مالک ہوئے، اور ان کی زندگی کے ایام لہو لعب اور فسق و فجور مین صرف ہونے لگے، اس پر ستم یہ ہوا کہ اس قدر حسین تھے کہ لوگ یوسف ثانی کہتے، ایک روز حضرت ابو اسحاق مغربی کی خانقاہ کی طرف سے گذر ہوا، شیخ نے دیکھتے ہی ایک کلوخ اُن کی طرف مارا اور کہا کہ اے لڑکے اس طرح کی زندگی کب تک بسر کرتا رہے گا، ان الفاظ کو سنتے ہی شیخ وجیہ بیہوش ہو گئے، ابو اسحاق ان کو اپنی خانقاہ مین لے گئے، اور پانی اُن کے حلق مین ٹپکایا، ہوش مین آئے تو حال دگرگون تھا، شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور کل دولت مستحقون مین تقسیم کر دی، چند ہی دنون مین مرتبۂ قطبیت تک پہنچ گئے، شادی نہین کی تھی، ۱۱ سال مدینہ طیبہ مین رہے، وہان سے گجرات آئے، سلطان مظفر گجراتی اُن کا بے حد عقیدت مند تھا، احمد آباد شہر کے نزدیک ایک قصبہ مین مدفون ہین، شیخ جمالی نے حج سے واپسی پر اُن کے یہان حاضری دی، (ملاحظہ ہو سیر العارفین ورق ۱۲۵) [3] ایضاً مگر ندوہ کے نسخہ مین صرف ایک سو بیس سال درج ہے [4] ایضاً ص ۱۹۳،

تقریباً سو سال کا فرق ہے، شیخ سماء الدین کے دوست جن کا ذکر جمالی نے سیر العارفین مین کیا ہے، اُن کی پیدائش ۸۰۱ھ[۵۱] کے کچھ بعد ہوئی ہوگی، ۹۰۱ھ مین[۵۲] وہ بحیات تھے، اور نوین صدی کے ختم کے قریب انتقال کر چکے ہون گے، شیخ جمالی جب ۸۹۶ھ کے قریب سیاحت بلاد اسلامی سے واپس آئے ہین، تو شیخ وجیہ الدین احمد فوت ہو چکے تھے، اور اخبار الاخیار والے بزرگ ۹۹۶ھ ہجری[۵۳] تک حیات تھے، اول الذکر بزرگ کے والد شیخ فیروز تغلق کے عہد کے تھے، اور آخر الذکر اکبری عہد کے،

یہ نہین معلوم ہو سکا کہ شیخ سماء الدین گجرات مین کب تک مقیم رہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم نہین کہ وہان کس غرض سے تشریف لے گئے تھے،

سکونت رنتھنبور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گجرات سے واپسی پر شیخ سماء الدین رنتھنبور[۵۴] کی طرف آئے، اور یہان کے قلعہ کے قریب بلانیہ[۵۵] نام کے ایک قریہ مین قیام کیا، اسی قریے مین شیخ جمالی نے شیخ سماء الدین سے بیعت کی تھی، شیخ جمالی نے لکھا ہے[۵۶] کہ ایک روز ایک درویش شیخ سماء الدین کی خدمت مین آئے، اُن کے پاس مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی کا ایک نسخہ تھا، حضرت نے اُسے اپنے ہاتھ مین لیا، اور چند ورق مطالعہ کرنے کے بعد شیخ عین القضاۃ کا ایک واقعہ نقل کیا، ایک بار اُن کی بیس جگہ دعوت تھی لیکن وہ حجرہ سے باہر نہ نکلے، اور ہر جگہ موجود بھی تھے، شیخ جمالی کے دل مین شبہہ پیدا ہوا، چنانچہ حسب معمول جب وہ عشاء وضو کر کے شیخ سماء الدین کے کمرہ مین داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ اپنی جگہ پر موجود ہین، اور چارون کونون مین اُن کی چار صورتین کھڑی ہین، اس کے بعد خود فرمایا کہ "درویشون مین یہ قوت ہوتی ہے کہ ایک ہی وقت مین کئی جگہ حاضر ہو جائین لیکن یہ باتین ہر شخص سے کہنے سننے کی نہین ہین"

---

[۵۱] سیر العارفین مین ۹۰۱ھ کے قریب عمر ۱۲۳ یا ۱۲۰ سال کی بتائی گئی ہے، ملاحظہ ہو ورق ۱۲۵ الف [۵۲] ایضاً [۵۳] اخبار الاخیار ص ۱۶۲، [۵۴] سیر العارفین ورق ۱۲۵ الف ب [۵۵] ایک نسخہ مین ملانیہ، دوسرے مین بلائیہ ہے [۵۶] سیر العارفین ورق ۱۲۵، ب،

قیام بیانہ شیخ سماء الدین رنتھنبور سے بیانہ آئے لیکن یہان آنے کی کوئی تاریخ معلوم نہین ہو، البتہ یہان اُنکا قیام زیادہ دنون تک معلوم ہوتا ہے، بیانہ ان دنون سیاسی حیثیت سے بہت زیادہ اہمیت حاصل کر چکا تھا، سلاطین شرقی سلاطین دہلی کے درمیان نبرد آزمائی جاری تھی، اور یہ کبھی حکومت دہلی کا جزو ہو جاتا، اور کبھی سلاطین شرقی اس پر اپنا قبضہ جما لیتے، اس اعتبار سے شیخ کے قیام کو ایک گونہ سیاسی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے، اگرچہ شیخ کا تعلق براہ راست سیاست سے بالکل نہ تھا، لیکن سلطان حسین شرقی اور بہلول لودی دونون شیخ کی توجہ حاصل کرنے کے خواہان تھے، ایک[۵۷] بار سلطان احمد جلوانی[۵۸] حاکم بیانہ شیخ موصوف کی خدمت مین حاضر ہوا، اس کے ہمراہ مرتضیٰ خان رسول اسکے علاوہ چند دوسرے امرا بھی تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب سلطان حسین کے سر مین دہلی پر قبضہ کرنے کا سودا سوار تھا، اور احمد جلوانی مذکور سلطان حسین سے خفیہ سازش کر چکا تھا، چنانچہ شیخ کے حضور مین دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے، اور شیخ سے بھی سلطان حسین کی کامیابی کے لئے دعا کا طالب ہوا، یہ سنتے ہی شیخ نے فرمایا، "احمد! تیرے آبا و اجداد بہلول لودی کے پروردہ ہین، اور تو بھی اسی کا نوازش یافتہ ہے، باوجود اس یقین کے کہ کفران نعمت ذلت وعدم دولت کا موجب ہوتا ہے، اتنے حقوق نعمت پر کیبارگی کیونکر خاک مذلت ڈالتا ہے، اور اپنی تقریر اس جملے پر ختم کی،

"مرا چہ نسبت بد جائے ظالمے کہ دست ظلم کشادہ پائے تعدی از دائرہ عدالت بیرون نہاد

و بمقصد عزیزے رود کہ ہموارہ شفقت داد ہر قصبہ از زمین تقید عبادت بر نمی دارد"

سلطان احمد جلوانی کو یقین ہو گیا کہ سلطان حسین کی کامیابی مشکل ہے، چنانچہ بقول شیخ جمالی[۵۹] وہ سلطان بہلول سے بغاوت کرنے سے باز رہا، لیکن تاریخون[۶۰] سے معلوم ہوتا ہے کہ چند روز بعد اس نے بہلول لودی سے

---

[۵۷] ورق ۱۲۳ [۵۸] یوسف خان جلوانی کا لڑکا تھا (ملاحظہ ہو طبقات اکبری ج ا ص ۳۰۸) [۵۹] سیر العارفین ورق ۱۲۳ ب [۶۰] ملاحظہ ہو منتخب التواریخ ج ا ص ۳۰۸ اور طبقات اکبری ج ا ص ۳۰۸،

باغی ہو کر حسین شرقی کے نام کا خطبہ جاری کر دیا تھا، اگرچہ احمد جلوانی بہت سخت مزاج حاکم تھا، مگر لوگ بیان کرتے تھے کہ اس دن شیخ کی ہیبت اتنی غالب تھی کہ وہ کانپ رہا تھا،

قیام دہلی اور شیخ کے روابط سلاطین لودی سے

شیخ سماء الدین[۱] بیانہ سے دہلی چلے آئے، اور تا آخر حیات یہیں مقیم رہے، اگرچہ دہلی آنے کی صحیح تاریخ نہیں معلوم ہے لیکن سیر العارفین[۲] سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ مذکور کے بڑے بھائی شیخ عبد اللہ بیابانی ساٹھ سال سے کچھ زیادہ جنگل و بیابان میں رہ کر راہی ملک بقا ہوئے، چونکہ شیخ عبد اللہ کا سنہ وفات ۸۳۰[۳] ھ ہے، اس لئے اُن کے ترک تعلقات کرنے کی تاریخ ۸۶۰ھ کے قریب ہو گی، اور یہیں یہ بھی معلوم ہے کہ دہلی میں وہ کچھ[۴] دنوں باپ کے ساتھ رہ چکے تھے، اس لئے شیخ سماء الدین کے دہلی تشریف لانے کی تاریخ ۸۶۰ھ سے چند سال پہلے ہو گی۔

اس عہد میں دہلی کا تاجدار بہلول لودی تھا، وہ شیخ سماء الدین کا بے حد عقیدت مند تھا، اور ان کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتا تھا، شیخ کو بھی بہلول سے بڑی محبت تھی، اور وہ اُسے تخت دہلی کا صحیح وارث و جانشین تصور کرتے تھے، مگر شیخ کی محبت میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ تھی، اس کی خدا ترسی و رعایا پروری سے شیخ کافی متاثر ہو چکے تھے، اگر دنیاوی فائدہ پیش نظر ہوتا، تو بیانہ کے قیام کے دوران میں وہاں کے حاکم کی رائے کے خلاف وہ بہلول کی اتنی مدح سرائی اور حسین شرقی کی اتنی مذمت نہ کرتے، ظاہر ہے کہ شیخ کے ان خیالات و جذبات کی ہر شخص کے دل میں جگہ ہو گی، سلطان بہلول کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی ہو گی تو اس کی عقیدت اور بھی زیادہ ہو گئی ہو گی،

سیر العارفین میں شیخ[۵] جمالی نے بہلول لودی کی شیخ کے آستانہ پر حاضری کا بیان اس طرح کیا ہے،

---

[۱] سیر العارفین ورق ۱۲۳ ب [۲] ایضاً ورق ۱۲۶ ب [۳] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۸۱، ۸۲، [۴] ملاحظہ ہوں وہ الفاظ جو ورق ۱۲۳ ب پر درج ہیں [۵] ورق ۱۲۳، ۱۲۴، میرے پیش نظر نسخہ کی عبارت بہت غلط نقل ہوئی ہے، اس کا مقابلہ ندوہ کے نسخہ سے کر لیا گیا ہے (ملاحظہ ہوں اوراق ۱۵۳ ب بعد)

ایک روز سلطان بہلول زیارت کے لئے آیا، خبر کی گئی کہ بادشاہ قدم بوسی کا ملتمس ہے، شیخ سماء الدین نے حکم دیا کہ اندر بلوا لیا جائے، بادشاہ اندر گیا اور حضرت کے قدم مبارک پر سر رکھ دیا، اور سامنے دو زانو بیٹھ گیا، اور تھوڑی دیر بعد عرض کی:

"این معتقد را دیدۂ ظاہر و باطن ناظر بر چہرۂ کرم و شفقت حضرت مخدومی ست زیرا کہ بادشاہ معانی درویشان اند و ارزو چنین صورت ایشان"

حضرت مخدوم نے فرمایا:

"دیدہ و چیدن از صورت ایشان این معانی دارد کہ اگر کسے توفیق رفیق طریق احوال ایشان نیابد بارے با افعال و اعمال این قوم بشتابد تا اثر صورت ظاہر درویشان زنگ کدورت باطن ایشان بزداید"

اس کے بعد زبانِ مبارک پر یہ کلمات آئے،

"سہ کس از انعام مستدام حضرت عزت محروم باشند اول پیرے کہ در معاصی بر دل و جان خود محکم بندد دوم جوانے کہ با امید توبہ باطن خود را بمعصیت پسندد، سوم سلطانے کہ با وجود حصول و نیل مرادات جزوی و کلی چراغ سلطنت خود را بہر بصر دروغ بے فروغ گرداند تا پیر فرمان شنود کہ اے موے سفید سیہ دل تا ابد۔ ضعف پیری چہ امید زیستن بود کہ دیوار توبہ محکم نہ ساختی و از بیغفلت و بقوت معصیت از بنیاد وشش . . . انداختی، و با جوان ندا دہند کہ اے جوان ناداں ندانستی کہ شیخ و شباب و اطفال را امینہ حیات بہ ید قدرت و تقضائے ربانی است تو کہ با امید توبہ بیری بصحرائے معصیت بخوت می خرامیدی عاقبت نہ دیدی کہ بہ پیری نہ رسیدی کہ تائب گردی، بادشاہ کاذب را بدین خطاب و عتاب در اضطراب اندازند کہ غافل روزگار دروغ از بہر طلب عقبیٰ نہ باشد، مگر از برائے ربط و ضبط دنیائے فانی از آن چہ کم داشتی کہ تخم کذب در فروغ اعمال

پیوستی کہ رشتی کہ در پیری بادشاہی یافتہ و دل خود را از خوف الٰہی آگاہی بخشی و خود را از کذب و معصیت ... باز داری و پیوستہ در شکر نعمت منعم حقیقی مستغرق مانی، ا کما قال اللہ تعالیٰ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَ لَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ "

ان نصائح کا سلطان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ زار زار رونے لگا، اور زبان عجز سے یون کہا:۔

"حضرت مخدوم باوجود چندین تقصیرات محبت درویشان در خود زمان زمان فزیدمی یابم امید کہ حق تبارک تعالیٰ بہ برکت محبت این قوم مرا نجات ارزانی دارد"

بادشاہ نے اس درجہ عجز و نیاز کا اظہار کیا کہ حاضرین مجلس پر عجیب عالم طاری ہوا، آخر کار شیخ نے آپ ایک خاص مصلّا عنایت فرمایا، اور سلطان نے وہان سے مراجعت کی،

اس تفصیل سے بہلول لودی کی اُس عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو اس کو فقرا و مشائخ سے تھی، اور غالبا اسی ارادتمندی کا نتیجہ تھا کہ اُس نے اپنی ایک لڑکی کی نسبت ایک صوفی درویش شاہ[1] عبد اللہ قریشی سے کردی جو ملتان کے رہنے والے اور حضرت بہاء الدین زکریا کی اولاد مین تھے، شاہ عبد اللہ موصوف حضرت شیخ سماء الدین کے ہم وطن تھے، بلکہ دونون ایک ہی سلسلۂ سہروردیہ سے مربوط تھے، ان دونون بزرگون کے اس غیر معمولی خلوص سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ سلطان بہلول کو اس سلسلہ سے زیادہ رغبت تھی،

شیخ سماء الدین بہلول لودی کے متعلق جو خیال رکھتے تھے، وہ نیا نہ تھا، کیونکہ وہ دہلی کے قبل ہی انھون نے عالم بیانی کی جس طرح تنبیہ کی تھی، اس کی مثال کمتر ملے گی، دہلی میں بھی اُن کا ویسا ہی خیال قائم رہا، سلطان کے مرنے کے بعد اس کے متعلق شیخ کے خیال کا پتہ حسب ذیل واقعہ[2] سے بھی چلتا ہے،

"روزے حضرت مشار الیہ بعد وفات سلطان[3] بہلول لودی نور اللہ مرقدہ بزیارت او قدم رنجہ فرمود،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۱۳ [2] سیر العارفین ورق ۱۴۴ ب [3] مخزن افغانی ص ۱۰۵ پر لکھا ہے کہ شیخ بہلول اور سکندر دونون کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گئے گیا تھا، یہی صورت افغانی ص ۱۳۵ پر بھی ہو لیکن یہ غلط ہو کیونکہ سکندر شیخ کی وفات کے ۲۲ سال بعد مرا ہو،

وزمانے بعد ادائے فاتحہ و اخلاص در مراقبہ آوردہ شد، وبعد از ان برخاست و بزبان گوہر نثار فرمود سبحان اللہ این مرد دنیا بکامرانی گذرانید و از برکت فرط محبت و اعتقادے کہ با دوستان خدا تعالیٰ داشت اینجا نیز مرتبۂ عالی یافت"

بہلول کی وفات ۸۹۴ھ ہجری مین ہوئی، اس کے بعد اس کا لڑکا سکندر لودی تخت نشین ہوا، باپ کی طرح وہ بھی درویشون کا بے حد عقیدتمند تھا، حضرت شیخ سماء الدین سے بھی بڑی ارادت رکھتا تھا، چنانچہ جب تخت نشینی کے لئے اس کو دعوت دی گئی، تو سب سے پہلے وہ شیخ کی خدمت مین حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا، تاریخون مین یہ واقعہ بڑی دلچسپی سے بیان ہوا ہے، طبقات اکبری[1] مین اس طرح لکھا ہے:۔

"در وقتے کہ سلطان بہلول در گذشت و سلطان سکندر را بجہت سلطنت طلب می داشتند و او ارادۂ رفتن نمود، در روزے کہ از دہلی[2] بیرون می رفت، بخدمت شیخ سماء الدین[3] کہ از بزرگان وقت بود بجہت التماس فاتحہ رفت وگفت کہ من کتاب میزان صرف[4] پیش شما می خواہم کہ بخوانم ...... چون خواند، بدانک اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین" سلطان گفت، باز بگوئید، و تا سہ مرتبہ تکرار کردہ دست آن عزیز را بوسیدہ، سلطان این دعا را بفال نیک گرفتہ روان شد"

بدایونی سے مزید[5] یہ پتہ چلتا ہے کہ سکندر کو ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو شیخ سماء الدین اُس کے دوسرے بھائیون کی سفارش کرین، اُس کے الفاظ یہ ہین:۔

---

[1] ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ [2] طبقات اکبری کے نسخون مین اختلاف ہو ایک نسخہ مین اس طرح آیا ہو:

"در روزے کہ از دہلی نزد سماء الدین بجہت التماس فاتحہ رفت"

مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان ایام مین شیخ کا قیام دہلی کے باہر نہین تھا [3] فرشتہ جلد اص ۱۸۶ مطبوعہ نسخہ بہاء الدین ہو جو غلط ہو [4] فرشتہ اور طبقات کے ایک نسخہ مین "صرف" محذوف ہے [5] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۳۱۳، ۳۱۴، بدایونی کا بیان فرشتہ، طبقات اور مخزن افغانی ص ۱۰۵ سے بہت مختلف ہو،

"می گویند کہ وقت روان شدن از دہلی بتقریب تفاؤل نزد شیخ سماء الدین کنبو پیر شیخ جمالی کہ از علماء کبار و مشائخ عظام روزگار بود، رفت، باین تقریب مبادا او رضا بہ سلطنت برادران دیگر داشتہ باشد، دبق صرف ہوائے را بہانہ ساختہ بیان معنی عبارت اسعدک اللہ[1] از خدمت شیخ پرسید، چون گفت و نیک بخت گرداناد ترا خدائے تعالیٰ، التماس کرد کہ این لفظ را سہ مرتبہ بزبان مبارک خود برانید، شیخ سہ بار گفت، او برخاستہ عرض داشت کہ من مدعائے خود را حاصل کردم و از شیخ استمداد طلبیدہ متوجہ لشکر شد"

بہرحال ان بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ اُس زمانے مین شیخ کو غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل تھا، مگر بظاہر انھون نے کبھی اپنے رسوخ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہین کی، اور خداترس اور رعایا پرور بادشاہ کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہے،

سکندر لودی کو مشائخ سے جو عقیدت تھی، اُس سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہین، شیخ جمالی سے اس کے بڑے گہرے تعلقات تھے، اُن سے اُس کے حصول نیاز کے سلسلے کی جو تفصیلات ملی ہین اُن[1] سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ جمالی جب ۹۰۶ھ[2] ہجری کے کچھ قبل سیر بلاد اسلامی سے واپس ہوئے، تو بادشاہ کو معلوم ہوا کہ شیخ نے اپنے قیام تبریز کے دوران مین ایک بلند پایہ نظم مہر و ماہ کے عنوان سے لکھی ہے، اُس نے ایک منظوم رقعہ دعوت اپنے دستخط خاص سے شیخ کے پاس بھیجا، شیخ اُس کے پاس جانے کے لئے راضی نہ ہوئے البتہ مثنوی مطلوب روانہ کردی، اس کے مطالعہ کے بعد شیخ سے ملاقات کا اشتیاق زیادہ ہوا، اس لئے سلطان نے ایک رقعہ شیخ سماء الدین کے پاس لکھا، انھون نے شیخ جمالی کو سکندر لودی کے پاس سنبھل روانہ کردیا،

---

[1] ملاحظہ ہو مخزن افغانی ص ۸۲، صولت افغانی ص ۱۳۵ [2] یہ تاریخ قیاسی ہے، ان دنون سلطان سنبھل مین مقیم تھا، اور یہین اُسے شیخ کے آنے کی اطلاع ہوئی، ملاحظہ ہو مخزن و صولت"

اگرچہ یہ معاملہ براہ راست شیخ سماء الدین سے تعلق نہین رکھتا، لیکن سلطان سکندر کا ان کے پاس خط لکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ سلطان کے رشتہ ارادت مین جو ۹۰۴ھ ہجری سے بہت قبل استوار ہو چکا تھا، کسی قسم کی کمزوری کے آثار پیدا نہین ہوئے تھے، شیخ جمالی کو سکندر کے پاس بھیجنے مین شیخ سماء الدین کی مصلحت صرف اس قدر تھی کہ وہ بادشاہون کی مجلسون[1] مین فقراء کی موجودگی کو باعث برکت سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ فقراء ہی کی دعاؤن کی وجہ سے بادشاہ اپنے مقاصد مین کامیاب ہوتے ہین،

---

[1] یہ الفاظ مخزن اور صولت افغانی مین پائے جاتے ہین،

گجراتی بادشاہون کے سکے

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

سنہ ۱۹۲۱ء سے گجراتی سکے میری نظر سے گذرنے شروع ہوئے، اور مین نے اُن کو جمع کرنا شروع کیا، آہستہ آہستہ اُن کی بڑی تعداد میرے پاس جمع ہو گئی، مین نے اس پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا، اور اس کے بارہ مین کچھ نوٹ بھی کئے، لیکن تاریخ گجرات لکھنے مین کچھ اس طرح مشغول ہو گیا کہ ذہن سے یہ بات فراموش ہو گئی، اب جب کہ اس سے فارغ ہوا، تو پھر اس طرف توجہ کی، میرے پاس اس وقت ہندوستان اور غیر ممالک کے ہزارون سکے موجود ہین لیکن محمود غزنوی کے کچھ سکون کے علاوہ افتتش تک کی کڑی مفقود ہے، باقی لبن سے لے کر برٹش گورنمنٹ تک کے ہر قسم کے سکے ہین،

ان مین سے فی الحال صرف گجراتی سلاطین کے بارہ مین لکھا جاتا ہے، کیونکہ گجراتی سکون پر بہت کم لوگون نے قلم اٹھایا ہے، مسٹر ہوڑی والا (جونا گڑھ) مسٹر ٹیلر (جونا گڈھ) اور گورنمنٹ بمبی کے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ اور کسی کا مضمون اس موضوع پر میری نظر سے نہین گذرا، رایل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل مین بھی کچھ لکھا گیا ہے، مگر مین نے اس کو نہین دیکھا،

سلاطین گجرات کے نام اور خطابات

ان سکون مین بادشاہون کے نام مع خطابات مقامات ضرب (ٹکسال) اور سنہ درج ہین، قیمت اور وزن نہین ہے جس سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے، کہ سکے سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ اس کی قیمت کیا ہے، صرف اندازہ سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ روپیہ، اٹھنی، چونی، یا پیسہ دھیلا وغیرہ ہے،

سلاطین گجرات مین پہلا شخص سلطان مظفر اول ہے، جو محمد شاہ تغلق کی طرف سے یہان کا ناظم (گورنر) مقرر ہوا تھا، اور آخر مین خود مختار ہو گیا، اس کا لڑکا تاتارخان دہلی مین رہتا تھا، تیمور شاہ کے حملہ سنہ ۸۰۰ھ کے قبل وہ گجرات چلا آیا، اور باپ کی مرضی کے خلاف خود بادشاہ بن بیٹھا لیکن کثرت مے نوشی کی وجہ سے بہت جلد مر گیا، (سنہ ۸۰۶ھ) پھر کئی برس کے بعد مظفر شاہ جس کا اصلی نام مظفر خان ہے، تخت نشین ہوا لیکن اس کے سکے بہت بہت ہی کم یاب ہین،

جن سلاطین کے نام کے سکے ہین وہ حسب ذیل ہین،

اسماء مع خطاب	سنہ تخت نشینی
(۱) ناصر الدنیا والدین محمد شاہ تاتارخان اول ابن مظفر شاہ بن وجیہ الملک	سنہ ۸۰۶ھ، اس کے دوسرے سکہ مین ہے: الواثق بتائید الرحمن افتخار الدنیا والدین ابو المغازی محمد شاہ بن مظفر شاہ السلطان ہے،
(۲) شمس الدنیا والدین مظفر شاہ بن وجیہ الملک سدھارن،	سنہ ۸۱۰ھ / ۸۱۳ھ
(۳) ناصر الدنیا والدین احمد شاہ اول بن محمد شاہ اول،	سنہ ۸۱۳ھ / ۸۴۶ھ (بانی احمد آباد)
(۴) غیاث الدنیا والدین محمد شاہ ثانی بن احمد شاہ اول،	سنہ ۸۴۶ھ / ۸۵۵ھ
(۵) قطب الدنیا والدین احمد شاہ ثانی بن محمد محمد شاہ ثانی	سنہ ۸۵۵ھ / ۸۶۳ھ (بانی کانکریہ تالاب)
(۶) سلطان داؤد شاہ، (چند ماہ)	سنہ ۸۶۳ھ / ۸۶۳

اسماء و خطاب	سنہ تخت نشینی
(۷) ناصر الدنیا والدین ابوالفتح محمود شاہ اول ابن محمد شاہ ثانی،	۸۶۳ھ / ۹۱۷ (فاتح جوناگڈھ و چانپانیر) اس کو محمود بیگڑہ بھی کہتے ہین،
(۸) شمس الدنیا والدین ابوالنصر مظفر شاہ ثانی بن محمود اول	۹۱۷ھ / ۹۳۲ (مظفر حلیم بھی کہتے ہین) فاتح مالوہ
(۹) الواثق بالله المنان ابوالفتح ناصر الدنیا والدین سکندر شاہ بن مظفر شاہ ثانی	۹۳۲ھ / ۹۳۲
(۱۰) سلطان محمود ثانی	۹۳۲ھ / ۹۳۲
(۱۱) قطب الدنیا والدین بہادر شاہ بن مظفر شاہ ثانی،	۹۳۲ھ / ۹۴۳ (فاتح چیتوڑ)
(۱۲) محمد شاہ فاروقی حاکم خاندیس،	۹۴۳ھ / ۹۴۳ دو ماہ
(۱۳) ناصر الدنیا والدین ابوالفتح محمود شاہ ثالث بن لطیف خان بن مظفر شاہ ثانی	۹۴۳ھ / ۹۶۱
(۱۴) سلطان مظفر سوم	۹۴۳ھ (چند ماہ)
(۱۵) ناصر الدنیا والدین اور دوسرے مین غیاث الدنیا والدین اور تیسرے مین معین الدنیا والدین احمد شاہ ثالث،	۹۶۱ھ / ۹۶۸
(۱۶) شمس الدنیا والدین مظفر شاہ رابع	(۹۶۸ھ / ۱۰۰۱) اس کا لڑکا بہادر شاہ ثانی تھا، لیکن نہ تخت نشین ہوا نہ کوئی سکہ ملا،

واضح رہے کہ آخری سلطان مظفر کی حکومت سنہ ۹۸۰ھ مین اکبر نے ختم کردی تھی، اور گجرات پر مغلیہ سلطنت کی حکومت قائم ہوگئی تھی، اور مظفر شاہ کو اکبر اپنے ساتھ لیتا گیا، مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ گجرات واپس آگیا، اور باغی کی حیثیت سے سنہ ۱۰۰۱ھ تک زندہ رہا اور اس کے نام کے سکے ڈھلتے رہے،

ٹنکہ ٹنکہ اصل مین سنسکرت لفظ ہے، جس کے معنی وزن کے ہین، پھر سکہ کے لئے بولا جانے لگا، اور جہان سکے ڈھلتے تھے، اسکو ٹنکسال اور پھر ٹکسال کہنے لگے، ٹنکہ چار ماشہ کا ہوتا تھا،[۱]

ٹنکہ پہلے چاندی کے سکہ کو کہتے تھے، جس کو شیر شاہ کے زمانہ مین "روپیہ" کہنے لگے، کیونکہ وہ روپا یعنی چاندی کا ہوتا تھا، پھر چاندی اور تانبہ کے سکہ کو بھی ٹنکہ کہنے لگے، اور دونون مین فرق کے لئے ٹنکہ سفید اور ٹنکہ سیاہ کا لفظ استعمال کیا جانے لگا، مین نے سلاطین گجرات کے سکون مین سلطان محمود بیگڑہ و (لمبی مونچھون والا) کا سکہ (ٹنکہ) جب وزن کیا، تو ایک تولہ کا نکلا، اسی مظفر ثالث کا ۹۹۱ھ ایک تولہ کا، محمود بیگڑہ کا ۹۱۰ھ و ۹۱۴ھ ایک تولہ کا، احمد ثالث کا ۹۶۱ھ ایک تولہ کا، بھروچ شاہ عالم کا ایک تولہ کا،

اس عہد مین جو سکے رائج تھے، اُن کے نام محمودی، مظفری، چنگیزی، اور جامی ملتے ہین، مظفری اور محمودی، تمام گجرات مین چنگیزی صرف بڑودہ اور جامی کاٹھیاواڑ مین رائج تھے، قدیم کتابون مین سکہ کے متعلق کوئی تفصیل آج تک میری نظر سے نہین گذری، صرف ابن بطوطہ جلد دوم کے محشی اردو نے اس پر کچھ بحث کی ہے، آئین اکبری مین بھی کوئی تسلی بخش بات مجھے نہین ملی، اس لئے جو چیز جہان سے ملی ناظرین کی ضیافت کے لئے درج کی جاتی ہے،

(۱) ٹنکہ طلا، (زرد یا سرخ) ایک تولہ کا (اشرفی) محمودی

(۲) ٹنکہ نقرہ (سفید) ایک تولہ کا، (روپیہ)

(۳) جیتل مس (پول) تانبہ کا ایک تولہ کا، پچاس جیتل کا ایک ٹنکہ سفید (روپیہ)

---

[۱] سنسکرت انگلش ڈکشنری، بائی ولیم صاحب،

(۴) ایک ٹنکہ سفید	=	آٹھ ہشت گانی (مساوی ایک مصری درہم)
(۵) ایک ہشت گانی	=	۴ سلطانی
(۶) ایک سلطانی	=	۲ جیتل
(۷) ایک جیتل	=	۴ فلوس (پیسہ) آنہ
(۸) ایک ٹنکہ	=	۶۴ پیسہ
(۹) ایک ٹنکہ عدلی کے	=	۵۰ جیتل (پول سیاہ)
(۱۰) ٹنکہ سیاہ جس میں چاندی کم اور تانبہ زیادہ ہوتا	=	۱۶ پول
(۱۱) ایک ٹنکہ (۲۰ پیسہ)	=	۱۰۰ دوکڑا
(۱۲) ایک دوکڑا	=	۱۶ بادام
(۱۳) ایک روپیہ	=	۱۶۰۰ بادام
(۱۴) ۱۶ جیتل	=	ایک ٹنکہ سیاہ (۴ آنہ)
(۱۵) ۴ ٹنکہ سیاہ	=	ایک ٹنکہ سفید (روپیہ)

ٹکسال سلاطین گجرات کے عہد میں مختلف مقامات میں ٹکسال قائم کئے گئے، ان میں سے زیادہ مشہور وہ مقامات ہیں جو گجرات کے پایۂ تخت تھے، ان میں سے ۴ شہروں کی خاص اہمیت ہے، ایک احمد آباد جو آخر تک مستقل پایۂ تخت سمجھا جاتا رہا، دوسرا احمد نگر (جس کو آج کل ہمت نگر، یا ام نگر کہتے ہیں)، ایڈر کے پاس واقع ہے، تیسرا جونا گڑھ ہے، اصل جونا گڑھ کی آبادی جو قلعہ جونا گڑھ سے فاصلہ پر تھی، عرصۂ دراز سے ویران ہوگئی ہے، موجودہ جونا گڑھ کا اصلی نام مصطفیٰ آباد ہے، یہ سلطان محمود بیگڑہ کا آباد کیا ہوا ہے لیکن قلعہ سے متصل ہونے کے سبب اس کے اصلی نام کی شہرت نہین ہوئی، اور جونا گڑھ (جو دراصل قلعہ کا نام ہے) کے نام سے مشہور ہوگیا، چوتھا شہر چانپانیر ہے، پاواگڑھ ایک مشہور پہاڑ ہے جس کے دامن میں چانپانیر نامی شہر قدیم زمانہ میں

آباد کیا گیا تھا، اور پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ کی بنیاد رکھی گئی تھی، محمود بیگڑہ نے اس کو فتح کرکے پہاڑ کے دوسرے جانب ایک جدید شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام "محمد آباد" رکھا، جو دیکھتے ہی دیکھتے احمد آباد کے مقابل کا بہترین شہر ہوگیا، شاہ ہمایون اور سلطان بہادر کی جنگ مین یہ شہر آتش زدگی کے سبب سے ویران ہونا شروع ہوا، اور آج ایک مسجد کے سوا اس کا کوئی نشان باقی نہین ہے، سکون مین ان چارون شہرون کے نام مندرجۂ ذیل طریقہ سے درج ہین

(۱) شہر معظم احمد آباد (۲) شہر ہمایون احمد نگر (۳) شہر مکرم محمد آباد (چانپانیر) (۴) شہر اعظم مصطفیٰ آباد (جونا گڑھ) باقی ٹکسالون کے نام جو مجھے دستیاب ہوئے مندرجۂ ذیل ہین: (۵) سورت، (۶) کھنبایت (۷) بھروچ، (۸) دیو، (۹) گودھرہ،

ان ٹکسالون مین زیادہ تر تانبہ اور چاندی کے سکے ڈھالے جاتے تھے، یہان کا ڈھلا ہوا سونے کا کوئی سکہ آج تک نظر سے نہین گذرا، سونے کے جو سکے مین نے دیکھے ہین، وہ زیادہ تر احمد آباد کے مسکوک تھے، ایک بات اور قابل غور ہے کہ ان سکون مین "سلطان" کا لفظ کبھی نام کے آگے آتا ہے، اور کبھی پیچھے، گجراتی سکے تمام عربی حروف اور عربی زبان مین ہین، صرف ایک سکہ محمد شاہ ثانی کا فارسی نظم مین ہے، یہان جس قدر سکے مجھے ملے ہین، انہی کے متعلق لکھا ہے، سلاطین گجرات کے اور سکے جو مختلف قسم کے مسکوک ہوئے، اور مجھے نہین ملے وہ اس مین درج نہین ہین، گو دوسرون کی فہرست مین ہین،

سلطان مظفر اول گجرات مین تھاسرا مشہور جگہ ہے وہان دو بھائی راجپوت خاندان کے رہتے تھے، جو غالباً گاؤن کے مٹھیل تھے، ایک کا نام سادھو اور دوسرے کا سہارن تھا، فیروز شاہ تغلق (متوفی ۷۹۰ھ) ابتداے شباب مین بغرض شکار اس علاقہ مین گیا، اور رات ہو جانے کے سبب سے اس مقام پر شب باش ہوا، ان دونون بھائیون نے اس کی بڑی خدمت کی، اس کے صلہ مین بادشاہ دونون کو دلی ساتھ لایا، اور شراب داری کے عہدہ پر ممتاز کیا، آخر مین یہ دونون بھائیون نے اسلام قبول کر لیا، سہارن کو وجیہ الملک کا خطاب ملا، اسی کا لڑکا مظفر خان ہے،

یہ دہلی میں پیدا ہوا اور امیرون کے لڑکون کے ساتھ پرورش اور تعلیم پائی، جب فیروز شاہ تغلق کا لڑکا محمد شاہ تغلق ۷۹۳ھ میں مستقل بادشاہ ہوا، تو گجرات کے ناظم نظام مفرح راستی خان کی بدانتظامی اور باغیانہ حالات معلوم کرکے مظفر خان کو وہان کا ناظم مقرر کیا، اُس نے راستی خان کو شکست دے کر ملک کا بہترین انتظام کیا، محمد شاہ تغلق ۷۹۶ھ میں وفات پا گیا، اور اس کا لڑکا سلطان محمود شاہ تخت نشین ہوا،

۸۰۱ھ میں تیمور شاہ نے دہلی فتح کر لی، اور لوٹ مار کر لوٹ گیا، اس ہنگامہ میں محمود شاہ نے بھاگ کر مالوہ مین پناہ لی، اور تیمور کی واپسی پر وہ بھی دہلی واپس آگیا، لیکن اب سلطنت کے تمام صوبہ دار تقریباً خود مختار ہو چکے تھے، مرکز میں اتنا دم نہ تھا کہ صوبہ دارون کو قابو مین رکھ سکے، اور اوسکی حکومت "از دہلی تا پالم" رہ گئی تھی، درباری امرا اقتدار کے لئے اس مین رسہ کشی مین مصروف تھے،

سلطان محمد شاہ نے مظفر خان کے لڑکے محمد تاتار خان کو بطور ضمانت کے اپنے ہی پاس رکھ لیا تھا، اور اب اس کا شمار امیرون مین تھا، وہ ملو خان امیر سے شکست کھا کر اپنے باپ کے پاس گجرات چلا آیا، اور دہلی پر فوج کشی کی تحریک کی، مظفر نے صاف انکار کر دیا، اس نے کچھ امیرون کو ملا کر مظفر شاہ کو بھروچ مین نظر بند کر دیا اور خود بادشاہ بن کر سکے جاری کئے، اور فوج لے کر دہلی روانہ ہوا، مگر کثرت شراب نوشی سے راہ مین بماہ شعبان ۸۰۶ھ وفات پا گیا،

محمد شاہ اول کے سکے　محمد شاہ اول کے تانبے کے سکے دو قسم کے دست یاب ہوئے ہین، ایک کا نقش جو خالص تانبہ کا تقریباً ایک تولہ وزن کا ہوگا، یہ ہے،

(۱)
۸۰۶ھ
ناصر الدنیا والدین

(۲)
السلطان
محمد شاہ

دوسرے کا نقش اس طرح ہے،

(۱)
الواثق بتائید الرحمٰن،
ناصر الدنیا والدین ابو الغازی

(۲)
محمد شاہ بن مظفر شاہ السلطان

مظفر شاہ اول　سلاطین گجرات کے جس قدر سکے آج تک دریافت ہوئے ہین، اُن مین سب سے زیادہ نایاب سلطان مظفر اول کا سکہ ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے اس کی حکومت کی مدت بہت کم رہی، اس کا ایک بہت صاف سکہ جونی والا کے پاس ہے جو مسٹر ٹیپان بی اے علیگ جوناگڑھی نے اُن کے نذر کیا تھا، باقی جسقدر سکے ملے ہین سب مشکوک ہین، میرے پاس جو سکے ہین، وہ بھی سنہ کے اعتبار سے مشکوک ہین، ایک سکہ جو مجھے ملا، اس کے ایک رُخ پر "مظفر شاہ السلطان" ہے، اور ۸۱۳ھ جیسا نظر آتا ہے، اور دوسرا رُخ پڑھا نہین جاتا، غالباً شمس الدنیا والدین ہوگا، اسی طرح دوسرا بھی ہے جس پر ۸۱۰ھ جیسا نظر آتا ہے،

(۱)
السلطان
۸۱۳ھ
مظفر شاہ

(۲)

(۱)
مظفر شاہ السلطان
۸۱۰

(۲)
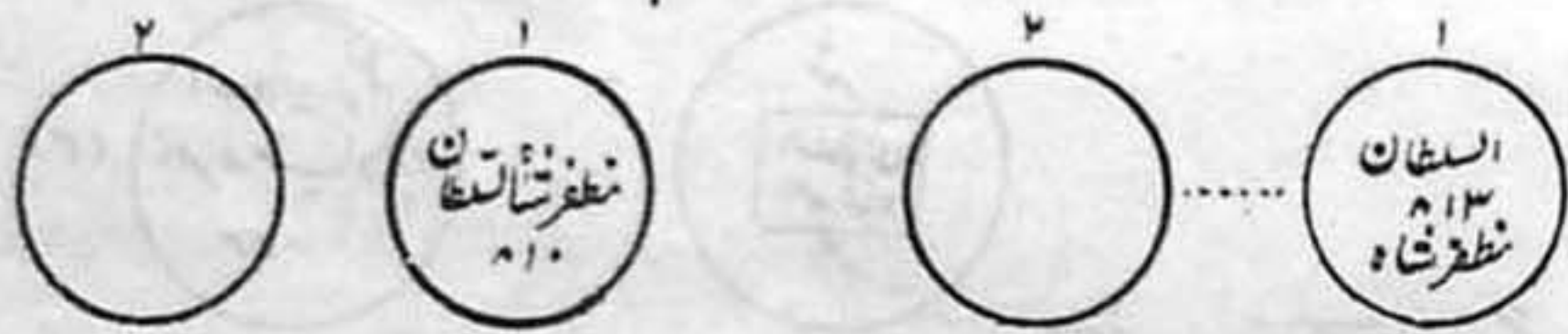
ایک دوسرا سکہ اور ہے جس کے ایک رُخ پر "مظفر شاہ السلطان" ہے اور دوسرا رُخ غیر ملفوظ ہے، اس مین صرف (ہ) پڑھا جاتا ہے، اور چونکہ ۸۱۰ھ کے عدد مین اور کوئی دوسرا مظفر نہین ہے، اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ یہ سکہ مظفر اول ہی کا ہے،

(۱)
السلطان
مظفر شاہ

(۲)

مظفر شاہ ۸۱۰ھ مین تخت نشین ہوا ہے، اس لئے ۸۱۰ھ سے ۸۱۳ھ تک کوئی عدد ہوگا، باقی دائرہ کا نقش اس قدر گھس گیا ہے کہ شیشہ کی مدد سے بھی پڑھا نہین جاتا،

سلطان احمد شاہ اول ناصر الدنیا والدین　سلطان احمد شاہ بن محمد شاہ بن مظفر شاہ اول دہلی مین پیدا ہوا، اور ایک عرصہ کے بعد وہ اپنے دادا مظفر شاہ کے پاس پٹن (گجرات) آیا، ۸۱۳ھ مین مظفر شاہ کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا، ۸۴۶ھ مین بمقام احمد آباد وفات پا کر مانک چوک کے مقبرہ مین دفن ہوا،

احمد شاہ اول کے سکے اس کثرت سے دستیاب ہوئے کہ حیرت ہوتی ہے کہ اتنا زمانہ گذر جانے پر بھی کس طرح اتنے سکے محفوظ رہے، ان میں ہر قسم کے چھوٹے بڑے سکے ہین، اس مین ایک طرف "سلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین" دوسری

طرف احمد شاہ السلطان اور کنارہ پر شہر ہمایون احمد نگر ہوتا ہے، عموماً اس کے سکے شہر معظم احمد آباد اور شہر ہمایون احمد نگر کے مسکوک ہیں، اور ۸۲۱ھ، ۸۲۹ھ، ۸۳۰ھ، ۸۳۳ھ، ۸۴۱ھ، ۸۴۲ھ، ۸۴۰ھ، ۸۳۹ھ، ۸۴۳ھ، ۸۴۶ھ، ۸۴۴ھ، ۸۴۵ھ کے سکے موجود ہیں،

(۱) السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین — شہر السلطان احمد شاہ

(۲) سلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین ۸۲۱ — شہر السلطان احمد شاہ

ایک دوسرا سکہ ۸۴۳ھ کا ہے، جس کا نقش مندرجہ ذیل ہے،

(۳) السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین ۸۴۳ — شہر السلطان احمد شاہ احمد

دوسرا گوشہ غیر ملفوظ ہونے کے سبب سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ احمد آباد ہے یا احمد نگر، یہ سب سکے تانبے کے ہیں، اس کے ایک سکہ میں جو تانبے کا ہے، مندرجۂ ذیل نقش ہے :-

(۴) ناصر الدنیا و الدین ۸۳۲ — شہر السلطان احمد شاہ احمد

ایک دوسرا سکہ ۸۳۷ھ کا ہے اس کا نقش یہ ہے :-

(۵) سلطان الاعظم ناصر الدنیا و الدین ۸۳۷ — شہر السلطان احمد شاہ احمد

بنرہ کے سکے میں نگر کی کتابت بخط عربی ہے،

غیاث الدنیا والدین محمد شاہ ثانی | احمد شاہ کے بعد اس کا لڑکا محمد شاہ ثانی ۸۴۶ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے دو قسم کے سکے دستیاب ہوئے ہیں، پہلے میں "غیاث الدین والدین محمد شاہ السلطان" ہے، دوسرے میں ایک شعر فارسی کا ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، اسلامی حکومت کی ابتدا سے محمد شاہ تک کسی نے فارسی میں اپنا سکہ نہیں رائج کیا، غالباً محمد شاہ ثانی گجرات کا پہلا بادشاہ ہے، جس نے مغلیہ سے پہلے سکہ

میں فارسی زبان استعمال کی، ورنہ عموماً سکہ کی زبان عربی ہوتی تھی، البتہ غزنوی، غوری، التمش وغیرہ نے ہندی الفاظ سکہ میں مسکوک کرائے، مثلاً شری سلطان وغیرہ، شعر

سکۂ سلطان غیاث الدین محمد شاہ باد
تا بدار الضرب گردون قرص مہر و ماہ باد

غیاث الدنیا والدین — السلطان محمد شاہ ۸۵۱

غیاث الدنیا والدین — محمد شاہ السلطان

السلطان کا لفظ محمد شاہ کے نیچے دیا گیا ہے، ۸۵۵ھ میں اس نے وفات پائی۔

شاہ باد غیاث الدین محمد سکہ سلطان ۸۷۴ — مہر و ماہ باد گردون قرص تا بدار الضرب

قطب الدنیا والدین احمد شاہ ثانی | سلطان قطب الدین کا اصلی نام احمد ہے، وہ اپنے خاندان میں دوسرا احمد ہے، اپنے باپ محمد شاہ ثانی بن احمد شاہ اول بن محمد شاہ اول بن مظفر شاہ اول کے انتقال کے بعد ۸۵۵ھ میں تخت پر بیٹھا، اس کے بھی دو قسم کے سکے ملے ہیں، ایک عام قسم کا سکہ جس پر قطب الدنیا والدین ابوالمظفر احمد شاہ السلطان ہے۔ دوسرا سکہ غالباً اس کے اخیر زمانہ کا ہے، جب کہ مصری خلافت کا وفد یہاں آیا تھا اور اسکی جانب سے خلیفہ امیر المومنین کا خطاب اس کو ملا تھا، چنانچہ سکہ میں مندرجۂ ذیل عبارت درج ہے، خلیفہ، امیر المومنین خلدت خلافتہ ۸۶۰ھ قطب الدنیا والدین احمد شاہ السلطان، اس کا نقش اس طرح ہے،

خلیفہ المومنین امیر خلدت خلافتہ — قطب الدنیا والدین احمد شاہ السلطان

قطب الدنیا والدین ابو المظفر — احمد شاہ السلطان

اس کے مختلف سکے ۸۶۱ھ، ۸۶۲ھ کے ملے ہیں، بعض سکوں میں صرف ۸ھ پڑھا جاتا ہے، باقی حروف مٹ گئے ہیں، اور کچھ سکے بغیر سنہ کے بھی ملے ہیں، ۸۶۳ھ میں قطب الدین نے وفات پائی،

سلطان داؤد شاہ | سلطان قطب الدین کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اس لئے اس کے بعد امیروں نے سلطان

داؤد کو تخت نشین کیا، جو سلطان احمد شاہ اوّل کا نبیرہ تھا، لیکن اس کے اخلاق وزیر دن کو پسند نہ آئے، اس لئے ایک ہفتہ کے بعد معزول کر دیا، اس کا کوئی سکہ میری نظر سے نہین گذرا،

سلطان محمود شاہ اوّل عرف بیگڑہ
ناصر الدنیا والدین

سلطان محمود شاہ بروز یک شنبہ ماہ شعبان ۸۶۳ھ مین احمد آباد کے تخت پر جلوس فرما ہوا، یہ قطب الدین کا سوتیلا بھائی اور محمد شاہ ثانی بن احمد شاہ اوّل بانی احمد آباد کا لڑکا ہے، اس کی والدہ سلطان جام سندھ کی شاہزادی تھی، ۱۹۲۱ء مین اُس کے اور احمد شاہ اوّل کے سکے جمعہ بازار مین اس کثرت سے ملتے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، یہ سکے ہر قسم کے اور ہر سائز کے تھے، روپیہ، پیسہ، دھیلا وغیرہ مگر دوسری جنگ کے بعد سے اب نہین ملتے، سب کو ڈھال کر تانبہ بنا لیا گیا، جن کی ضرورت میدان جنگ مین اس وقت بہت تھی،

واضح رہے کہ تمام گجراتی سکون پر خواہ وہ سونے کے ہون، یا چاندی کے یا تانبے کے ایک قسم کا نقش ہوتا تھا، اس کا افسوس ہے کہ گجراتی بادشاہون کے سب طلائی سکے نظر سے نہین گذرے لیکن سلطان محمود اوّل، اور سلطان مظفر ثانی بن محمود اوّل کے طلائی سکے کھنبائت اور احمد آباد مین دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالبًا تمام سلاطین کے مسکوک ایک ہی طرح کے ہین، چاندی، سونے اور تانبے کے سکے گول وزنی تقریبًا ایک تولہ کے ہوتے تھے، محمود اوّل کے چاندی کے سکے کئی بار وزن کئے، سب ایک تولہ کے نکلے، سلطان محمود کے طلائی سکے مین تحریر ہے، "السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین ابو الفتح محمود شاہ السلطان"،

چاندی کے سکے کے نقوش مختلف ہین، بعض پر مندرجۂ بالا تحریر منقوش ہے، اور بعض پر احمد آباد، مصطفےٰ آباد وغیرہ کا اضافہ ہے، ایک تیسرے قسم کا سکہ ہے، جس مین چاندی کم اور تانبہ زیادہ ہے، غالبًا اسی کو ٹنکہ سیاہ کہتے تھے، یہ بھی دوسرے سکون کی طرح گول، وزنی تقریبًا ایک تولہ کا ہوگا، یہ سکہ غالبًا ابتدائی زمانہ کا ہے، جو قطب الدین کے آخر زمانہ مین مسکوک ہوا، اور اس کے بعد وہی سکہ محمود کے نام سے جاری کیا گیا، عبارت یہ ہے:-

"خلیفہ امیر المومنین خلدت خلافتہ ناصر الدنیا والدین ابو الفتح محمود شاہ السلطان"

اسی طرح کے سکے تانبے کے بھی ہین چھوٹے سکون مین دھیلا، دوکڑہ وغیرہ بھی نظر سے گذرے، پائیان بھی ملین، مگر کسی پر قیمت نہین لکھی ہے، جس طرح آج ہر بڑے چھوٹے سکہ پر قیمت نقش ہوتی ہے، اس طرح گجراتی سلاطین کے سکون مین قیمت درج نہین ہوتی تھی، اور صرف قیاس سے اُن کی قیمتون کا اندازہ لگا سکتے ہین،

سلطان محمود نے تقریبًا پچاس برس حکومت کی، ۹۱۷ھ مین وفات پائی، شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ کے مقبرہ کے پاس تالاب کے کنارہ پر مدفون ہوا، اس کا عرف بیگڑہ (بواؤ مجہول ہے) گجراتی مین بیگڑہ اس بیل کو کہتے ہین جس کی سینگین لمبی ہو کر اس طرح مڑ جائین جس طرح انسان کسی کو آغوش مین لینے کے لئے دونون ہاتھ بڑھاتا ہے، اس کے مقابلہ مین بھیلو (بواؤ مجہول) کا لفظ ہے، جو ایسے بیلون کو کہتے ہین جن کی سینگین چھوٹی ہون، محمود بیگڑہ کی مونچھین اس قدر لمبی تھین کہ وہ سینگون کی طرح معلوم ہوتی تھین، کبھی کبھی وہ ان کو کانون مین لپیٹ لیا کرتا تھا، عربی زبان مین ایسے آدمی کو "ذو القرنین" کہتے ہین"

سلطان محمود کی وفات کے بعد صرف ایک ہی لڑکا زندہ رہا جو اس کے بعد تخت نشین ہوا، محمود اپنے بعض سکون مین اپنے باپ کا نام بھی تحریر کرتا ہے، "السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین ابو الفتح محمود شاہ بن محمد شاہ السلطان ۸۶۷ھ، مندرجۂ ذیل سنون کے سکے میرے پاس موجود ہین، ۸۶۸ھ، ۸۶۹ھ، ۸۷۰ھ، ۸۸۰ھ، ۸۸۱ھ، ۸۸۳ھ، ۸۸۶ھ، ۸۸۷ھ، ۸۸۸ھ، ۸۸۹ھ، ۸۹۱ھ، ۸۹۳ھ، ۹۰۰ھ، ۹۰۲ھ، ۹۰۳ھ، ۹۰۶ھ، ۹۰۷ھ، ۹۰۸ھ، ۹۰۹ھ، ۹۱۰ھ، ۹۱۱ھ، ۹۱۲ھ، ۹۱۶ھ، ۹۱۷ھ، بعض سکون کے نقوش مندرجۂ ذیل ہین،

ٹنکہ سیاہ

۱: خلیفہ المومنین امیر خلدت خلافتہ

۲: ناصر الدنیا والدین ابو الفتح محمود شاہ السلطان

ٹنکہ سفید

۱: السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین

۲: ابو الفتح محمود شاہ السلطان

تانبہ کا سکہ

۱: السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین ابو الفتح

مصطفےٰ محمود شاہ السلطان شہر

تانبہ کا سکہ

۱: السلطان الاعظم ناصر الدنیا والدین ابو الفتح

۲: محمود شاہ بن محمد شاہ السلطان ۸۶۷ھ

تانبہ کا سکہ

۱
السلطان الاعظم
ناصر الدنیا والدین
ابو الفتح

۲
محمود شاہ
بن
محمد شاہ
السلطان سنہ ۸۶۳

جزیرہ دیو کا سکہ

۱
السلطان الاعظم
ناصر الدنیا والدین

۲
دمب
السلطان
محمود شاہ
۹۰۰

سلطان محمود اول کا ایک چاندی کا سکہ مندرجہ ذیل ہے،

نقرئی سکہ،

۱
السلطان الاعظم
ابو الفتح
ناصر الدنیا والدین

۲
السلطان
محمود شاہ

سلطان مظفر حلیم ثانی

سلطان محمود بیگڑہ کے انتقال کے وقت اس کے چار لڑکون مین صرف یہی ایک لڑکا زندہ تھا، اس کا نام مظفر خان تھا، ۹۱۷ھ مین تخت نشین ہوا، سلاطین گجرات مین اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہین ہوا، حافظ قرآن تھا، حدیث مین بھی ماہر تھا، اگر بادشاہ نہ ہوتا، تو گجرات کا بڑا محدث شمار ہوتا، طبیعت کا بڑا حلیم تھا، اسی لئے اس کو سلطان مظفر حلیم کہتے تھے، اس کے اساتذہ مین بڑے بڑے مشہور لوگون کے نام آتے ہین، فن خطاطی مین بھی اس کو کمال تھا، سال مین دو قرآن پاک اپنے ہاتھ سے لکھ کر مکہ اور مدینہ (شرفہما) بھیجا کرتا تھا، اس کی بیگم بھی جام سندھ کی شاہزادی تھی، اس کے عہد کے سونے چاندی اور تانبہ ہر طرح کے سکے نظر سے گذرے، پیسہ، دھیلا، دوکڑہ وغیرہ بھی اس کے عہد مین بکثرت مسکوک ہوئے، مختلف سکون پر مختلف عبارتین درج ہین "شمس الدنیا والدین" اس کا خطاب اور ابو النصر کنیت ہے،

سونے کا جو سکہ کھنبایت مین نظر سے گذرا، وہ زمین کھودتے وقت ایک شخص کو دستیاب ہوا تھا، اس کا نقش بالکل چاندی کے سکہ کی طرح ہے، اور اس پر "المؤید بتائید الرحمٰن شمس الدنیا والدین ابو النصر مظفر شاہ محمود شاہ السلطان سنہ ۹۳۰ھ درج ہے،

چاندی کے سکے مین مختلف عبارتین درج ہین، کسی مین اس کا تنہا نام ہے، اور کسی مین اس کے باپ کا بھی نام ملتا ہے، کسی مین مظفر بن محمود ہے، اور کسی مین مظفر محمود ہے، یعنی بن کا لفظ نہین ہے، اس کی شکلین یہ ہین،

طلائی سکہ　　محمودی　　چاندی کا سکہ ٹنکہ

۱
المؤید بتائید الرحمٰن
شمس الدنیا
والدین ابو النصر

۲
السلطان
شاہ
۹۳۵
مظفر محمود
خلد اللہ

۱
المؤید بتائید الرحمٰن
شمس الدنیا
والدین ابو النصر
خلد اللہ ملکہ

۲
السلطان
شاہ
۹۰۳
مظفر محمود

شمس الدنیا
۹۲۰
والدین

شاہ السلطان
مظفر بن محمود شاہ

المؤفق بتائید الرحمٰن
شمس
الدنیا والدین

السلطان
مظفر
شاہ
۹۲۰

یہ تانبہ کا سکہ غالبًا دھیلا ہے، دین کے نیچے کا حصہ مٹ گیا ہے، غالبًا کنیت ابو النصر ہوگی،

اس کا ایک سکہ اور دستیاب ہوا ہے، جس مین نہ سنہ ہے، اور نہ کنیت، اس لئے مجھے وہ مشکوک نظر آیا، ممکن ہے کہ وہ مظفر آخری سلطان کا ہو، اس کا نقش یہ ہے:-

۱
معتصم
شمس
الدنیا والدین

۲
السلطان
مظفر محمود شاہ

اس مین معتصم کا لفظ مشتبہ ہے، کیونکہ مظفر شاہ حلیم کے عہد تک کسی نے ہندوستان مین خلفاے عباسیہ کے القاب اختیار نہین کئے تھے، ۹۳۲ھ مین اس کا انتقال ہوا اور سرکھیج مین باپ کی قبر سے متصل دفن کیا گیا،

سلطان سکندر بن مظفر شاہ ثانی ناصر الدنیا والدین

مظفر شاہ حلیم کے انتقال کے بعد اس کا بڑا لڑکا، سکندر شاہ ۹۳۲ھ مین تخت نشین ہوا، یہ بڑا خوبصورت نوجوان تھا، چیزون کی ایجاد کا شوق رکھتا تھا، لیکن دو ہی مہینہ کے اندر قتل کر دیا گیا، اس کا صرف ایک سکہ دستیاب ہوا ہے، جو بمبئی میوزیم مین ہے،

الواثق باللہ المنان
ابو الفتح
ناصر الدنیا والدین

السلطان
شاہ
۹۳۲ مظفر شاہ
سکندر بن

محمود شاہ بن مظفر شاہ ثانی برادر سکندر

سکندر کے قتل کے بعد اس کے ایک لڑکے نصیر خان الملقب بہ محمود ثانی کو جس کی عمر چھ سال تھی، امیر الامرا عماد الملک نے تخت نشین کیا، اس کے صرف دو سکے مجھے ملے، سکے مین لو "گر" علاوہ "کٹ گئے ہین، یہ بادشاہ چانپانیر سے متصل گودھرہ" مین تخت نشین ہوا تھا، اسی لئے سکہ بھی اسی جگہ مسکوک ہوا،

یہ سکہ تانبہ کا ہے اور چھوٹا ہے،

سلطان بہادر شاہ بن مظفر شاہ ثانی

سکندر کی موت کے وقت اس کا چھوٹا بھائی بہادر شاہ دہلی میں تھا، موت کی خبر سن کر گجرات آیا، اور ۲۷ رمضان ۹۳۲ھ کو احمد آباد میں تخت نشین ہوا، اور عید بعد چانپانیر پہنچا، اور محمود شاہ ثانی کو قتل کرکے وہان دوبارہ تخت نشین ہوا، اس کے سکے مختلف قسم کے دستیاب ہوئے یہ سب تانبہ کے ہیں، چاندی یا سونے کا کوئی سکہ نہیں ملا، ان کے نقش یہ ہیں،

سلطان محمود ثالث ابن لطیف خان
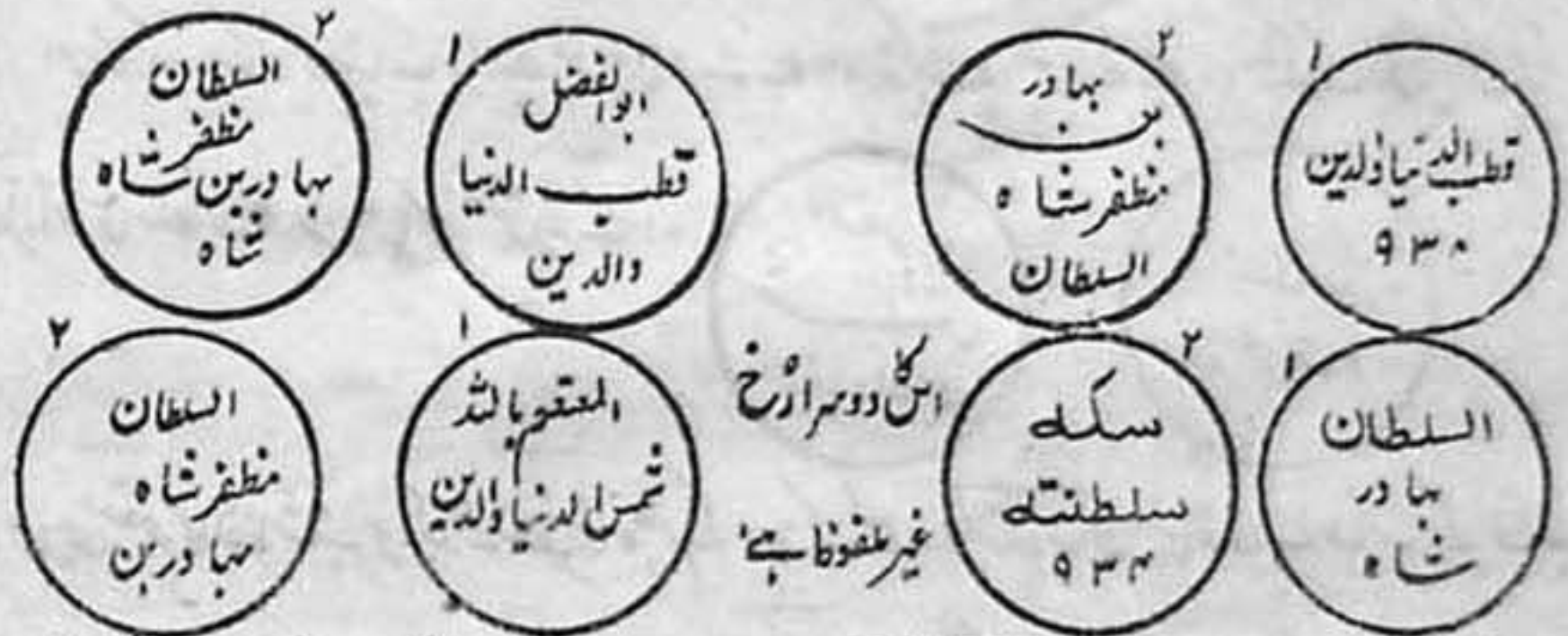
رمضان ۹۴۳ھ میں بہادر شاہ دیو کے پاس سمندر میں غرق ہو گیا، اور گیارہ برس کی عمر میں سلطان محمود بن لطیف خان بن مظفر ثانی یعنی بہادر شاہ کا بھتیجا ۹۴۳ھ میں تخت نشین ہوا،

اس بادشاہ کے سکے بھی بہت ملے ہیں، اور مختلف القاب کے ہیں، ان القاب کے بار بار بدلنے کے اسباب تاریخ میں نہیں ملے، ابتدا میں وہ مختلف وزیرون اور امیرون کے ماتحت نظر بند رہا، اور آخر میں خود مختار ہوا، ممکن ہے ہر امیر نے نئے خطاب سے سکہ مسکوک کرایا لیکن زیادہ تر ناصر الدنیا والدین ہی کا خطاب سکون میں ملا، اس لئے اصلی اور پہلا خطاب اسی کو سمجھنا چاہئے،
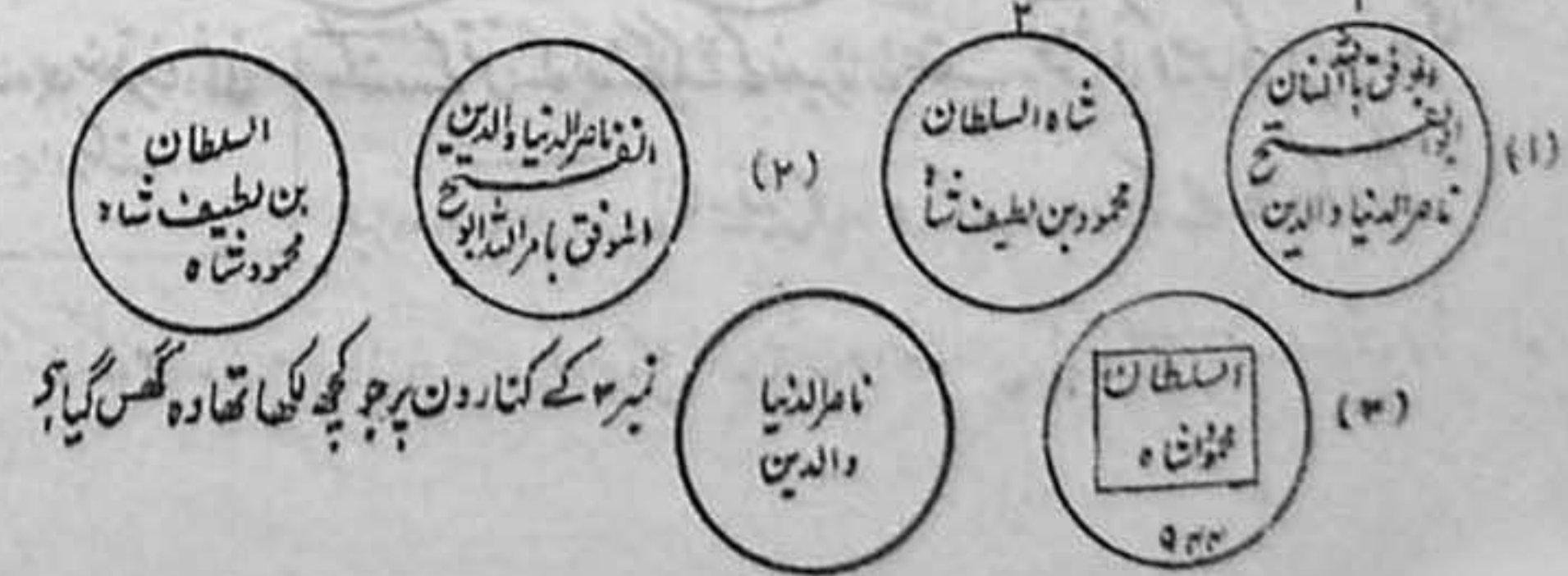
نمبر ۳ کے کنارون پر جو کچھ لکھا تھا وہ گھس گیا ہے

اس کے دوسرے رُخ کے اطراف میں ضرب حضرت صرف ملفوظ ہوا، تیسرے طرف احمد آباد یا محمود آباد ہونا چاہئے، کیونکہ انہی دو جگہون میں اس کا قیام رہا تھا،

اس کے ایک طلائی سکہ کا نقش یہ ہے:-

۱۳ ربیع الاول ۹۶۱ھ میں بمقام محمود آباد شہید کر دیا گیا، اور محمود بیگڑہ کے مقبرہ میں دفن ہوا،

سلطان احمد شاہ سوم

سلاطین گجرات میں احمد شاہ تین ہوئے ہیں: اول احمد شاہ بانی احمد آباد، اور دوسرا اسی کا پوتا قطب الدین احمد شاہ بن محمد شاہ بن احمد شاہ بانی احمد آباد، اور تیسرا بہادر شاہ کے بھتیجے محمود شاہ بن لطیف شاہ کے بعد احمد شاہ اول اپنے سکہ میں "ناصر الدنیا والدین" مسکوک کرتا تھا، دوسرا احمد "قطب الدنیا والدین" تحریر کرتا تھا، اسمائے جن سکون کا آگے ذکر کیا جائے گا وہ قطعاً اسی تیسرے احمد کے ہونگے جس کے سکہ میں "غیاث الدنیا والدین" ہے کیونکہ اس کے سوا اور کوئی دوسرا سلطان احمد گجرات میں نہیں ہوا، جو اپنے کو غیاث الدین لکھتا ہو، ان میں سے دو سکون پر باپ کا نام نہیں ہے، سکے حسب ذیل ہیں،
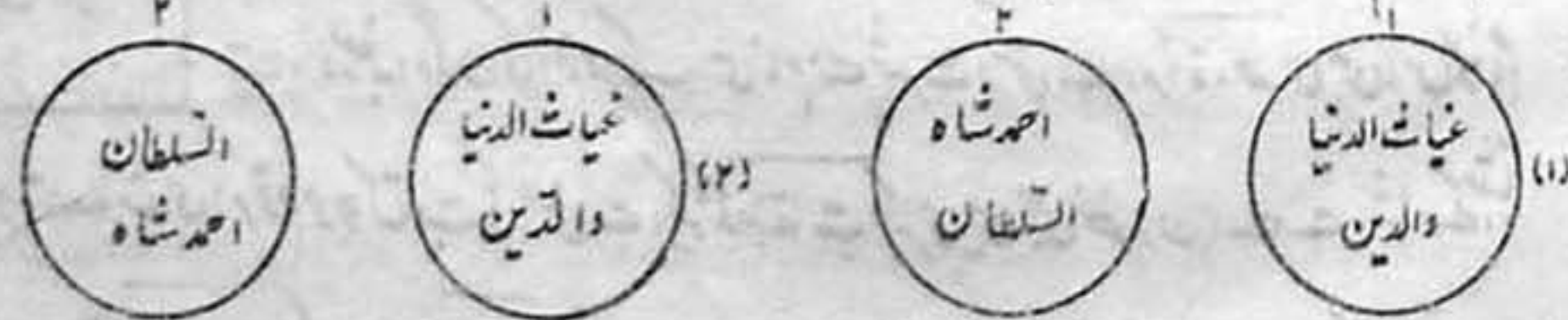
پہلے سکہ میں سلطان کا لفظ احمد شاہ کے نیچے ہے، اور دوسرے میں احمد شاہ کے اوپر ہے،

(۴) اسی قسم کا ایک اور سکہ ہے :-

۱
المجاہد معین
الدنیا والدین

۲
شاہ ۹۶۲ السلطان
احمد بن محمود شاہ

۵
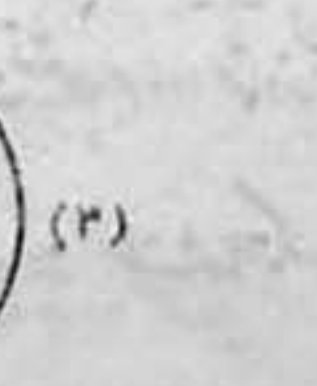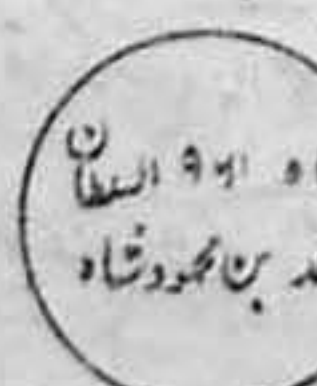
ان تینون سکون پر غور کرنے سے یقین ہوجاتا ہے کہ وہ احمد شاہ ثالث ہی کے ہین، کیونکہ سکون مین سنہ صاف پڑھا جاتا ہے یعنی ۹۶۲ھ، باقی ایک اور ۲ کا ہندسہ ذرا صاف نہین ہے، اور گجرات کے تخت پر ۹۶۱ھ سے ۹۶۸ھ تک کوئی دوسرا شخص احمد نامی نہین بیٹھا، البتہ تاریخ گجرات مین کوئی ایسا احمد نہین ہے، جس کے باپ کا نام محمود شاہ ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح محمود شاہ بن لطیف شاہ ہے، اسی طرح احمد شاہ بن محمود شاہ ہوگا، یعنی لطیف شاہ بادشاہ نہ تھا، بلکہ فقط خاندان شاہی مین سے ایک شاہزادہ تھا، اسی طرح محمود شاہ ہوگا، لیکن مرأۃ سکندری مین اس کا نام "احمد شاہ بن لطیف خان بن نبیرۂ لشکر خان بن سلطان احمد بانی احمد آباد لکھا ہوا ہے، اور ظفر الوالہ مین احمد شاہ بن لطیف خان بن نظام خان بن لشکر خان بن سلطان احمد اول تحریر ہے، اور فرشتہ احمد ثانی یعنی قطب الدین کے اولاد سے بتلاتا ہے، جو صحیح نہین ہے، کیونکہ قطب الدین کے کوئی نرینہ اولاد تھی ہی نہین، ممکن ہے کہ نواسون مین ہو،

اس لئے مندرجۂ بالا امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ تاریخون مین احمد شاہ اور لطیف خان کے درمیان محمود خان کا نام غلطی سے رہ گیا ہے، جس کی تصدیق سکون سے ہوتی ہے،

مظفر شاہ رابع عرف نتھو

اس کا اصل نام نتھو ہے، ہندوستان اور گجرات مین نتھا نتھو، چھوٹے بچون کو پیار سے کہتے ہین، اور بعض لوگون کی آخر عمر تک اسی نام سے شہرت رہتی ہے، مرأۃ احمدی مین اس کا نام نتھو (بتائے ہندی) مرقوم ہے جو کتابت کی غلطی ہے، کیونکہ طبقاتِ اکبری مین بھی نتھو (ن) سے ہے، شمار کے اعتبار سے یہ چوتھا مظفر ہے، لیکن سلطان مظفر سوم صرف چند دن بادشاہ رہا، اس لئے عام طور پر اس کو مظفر سوم ہی سمجھا جاتا ہے، یہ ابھی خورد سال تھا کہ سلطان احمد کے انتقال کے بعد ۹۶۸ھ مین تخت نشین ہوا، اعتماد خان وزیر نے قسم کھا کر کہا تھا کہ "یہ محمود بن لطیف خان کا لڑکا ہے" یہ گجرات کا آخری بادشاہ ہے ۹۸۰ھ تک

اس کی حکومت رہی، پھر اکبر بادشاہ سلطان مظفر کو آگرہ لیتا گیا، اور عرصہ تک نظر بند رکھا، مگر جب گجرات پر اس کا مکمل تسلط ہوگیا، تو پھر سلطان مظفر کی نگرانی کی جانب زیادہ توجہ نہ کی، اور اس نے موقع پاکر راہ فرار اختیار کی، اور گجرات پہنچکر مدعی سلطنت ہوگیا، اور عرصہ تک کاٹھیاواڑ مین شورش برپا کرتا رہا، آخر ۱۰۰۱ھ مین گرفتار ہوا، مگر راستہ مین اُس نے اُسترہ سے خودکشی کرلی،

اُس کے سکے تین قسم کے ہین، اول خاص مظفر کے ۹۶۸ھ سے ۹۸۰ھ تک کے، دوسرے اس کے بعد ۱۰۰۱ھ تک، اور تیسرے جام اور پوربندر کے، اس کا اپنا خاص سکہ جو ۹۶۸ھ سے شروع ہوتا ہے، اس کے پہلے رُخ پر "المؤید بتائید الرحمٰن شمس الدنیا والدین" اور دوسرے پر "مظفر شاہ السلطان" باقی اطراف کی تحریر پڑھنے مین نہین آتی،

المؤید بتائید الرحمٰن
شمس
الدنیا والدین

۹۷۹ السلطان
مظفر شاہ

میرے پاس مختلف قسم کے سکے ہین بعض بڑے موٹے اور دبیز، بعض چھوٹے، بعض پتلے، چپٹے، اور بڑے بعض چھوٹے، اُن کے سنہ مختلف ہین، اور ۹۷۰ھ، ۹۷۹ھ، ۹۶۹ھ کے متعدد سکے ہین بعض کے اعداد صاف نہین پڑھے جاتے، ایک اور قسم کا سکہ بھی مسکوک ہوا تھا، اس مین تانبے کا پیسہ دھیلا، وغیرہ ہر طرح کے موٹے پتلے اور چھوٹے بڑے سکے ہین، اُس کے ایک رُخ پر "المؤید بتائید الرحمٰن ابوالفتح ناصر الدنیا والدین" اور دوسرے پر "مظفر شاہ بن محمود شاہ السلطان" ہے، میرے پاس اس قسم کے ۵۲ سکے ہین، ان مین سے ۱۴ سکے ۹۸۰ھ کے بعد کے ہین، یعنی ۹۵ھ تحریر ہے، ۸ کا عدد کٹ گیا ہے، اور ۱۴ سکے اسی طرح کے ۹۷۰ھ کے بعد کے ہین، ایک سکہ پر البتہ صاف طور پر ۹۷۰ھ درج ہے باقی سکون کے سنہ صاف طور پر نہین پڑھے جاتے

المؤید بتائید الرحمٰن
ابوالفتح
ناصر الدنیا والدین

شاہ السلطان
مظفر بن محمود شاہ

ایک سکہ چاندی کا بھی ملا ہے، جس کو مظفری کہتے تھے، اس کا نقش یہ ہے،

۱
المؤید بتائید الرحمٰن
شمس
الدنیا والدین

۲
سلطان
مظفر
شاہ
خلد اللہ ملکہ

اسی نقش کا ایک سکہ طلائی بھی ملا ہے، اور اسی نقش کا تانبہ کا بھی دیکھا،

ایک سکہ اور ملا ہے، جو اُس کے آگرہ سے بھاگ آنے کے بعد کا ہے، یہ ایک طرح سے اکبر کے سکہ کی نقل ہے، یعنی اس کے ایک رُخ پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پر سلطان مظفر شاہ بن محمود شاہ ہی،

۱
لا الٰہ الا اللہ

۲
ابن محمود شاہ
مظفر شاہ
سلطان
۹۹۱

نقطون کے بعد دونون رُخ کے حاشیہ مین کچھ لکھا ہے جو کٹ گیا ہے،

اس کا ایک اور سکہ ۹۷۳ھ کا ہے، جس پر "شمس الدنیا والدین مظفر شاہ السلطان ۹۷۴ھ" تحریر ہے، اسی طرح ایک سکہ جو پائی معلوم ہوتی ہے، اس پر ۹۷۰ھ درج ہے، اسی قسم کا ایک سکہ دھیلا معلوم ہوتا ہے، جو چھوٹا سا گول ہے، اس پر ۹۷۱ھ منقوش ہے،

۹۷۷ھ کا بھی تانبہ کا ایک سکہ ہے، اس کے کنارے پر شاید، احمد آباد تحریر ہو جو کٹ گیا ہے،

مظفری جامی ۹۷۰ھ مین سلطان مظفر نتھو نے جام نگر (کاٹھیاواڑ) کے راجہ جام کو سکہ ڈھالنے کی اجازت دی، اس لئے اس نے ہر سکہ پر اسی سنہ کو بطور یادگار قائم رکھا، جو پڑھنے مین ۹۷۱ھ یا ۹۷۵ھ نظر آتا ہے، سب تانبے کے ہین، چاندی یا سونے کا سکہ نظر سے نہین گذرا،

جام کے زیادہ دبیز، وزنی اور بڑے سکے میرے پاس زیادہ ہین جن کے ایک رُخ پر "شمس الدنیا والدین" دوسرے پر "مظفر شاہ السلطان (یا السلطان مظفر شاہ) نیچے شری جام" اور اوپر ۹۷۰ھ نقش ہے،
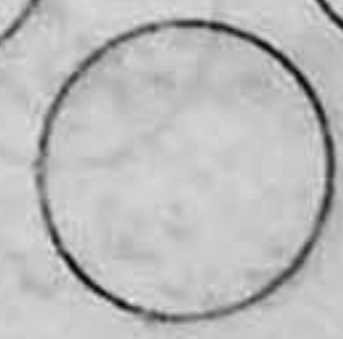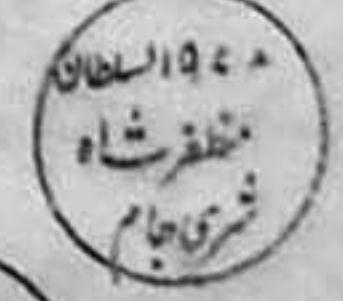
۲
۹۷۰ السلطان
مظفر شاہ
شری جام

۱
شمس الدنیا والدین

شمس

شری جام کا لفظ گجراتی خط مین ہے، بعد کے سکون مین اول رخ پر "شمس الدنیا والدین" کا لفظ مٹ گیا ہے اور آخر کے سکون پر فقط لفظ شمس رہ گیا، باقی جگہون مین صرف لکیرین ہین، اس قسم کے سکے میرے پاس بہت ہین،

محمودی جامی یہ عجب بات ہے کہ سلطان محمود بن لطیف کے نام سے بھی جام نے سکے ڈھالے ہین، جس سے اوپر کا نظریہ باطل ہو جاتا ہے، لیکن میرا قیاس ہے کہ جب مغلیہ عہد مین جام کو سکے ڈھالنے کی ممانعت کردی گئی تو اس نے بجائے ...... مظفری کے محمودی نقش کرانا شروع کر دیا، اس کے ایک رُخ پر محمود شاہ لطیف شاہ اور نیچے شری جام گجراتی مین ہے، دوسری جانب شمس الدنیا والدین ہے، اور اس کے نیچے کٹار کی شکل منقوش ہے، یہ سکہ دبیز اور وزنی ہے، سنہ کوئی نہین ہے، یہ سکے بھی بڑی تعداد مین ملے ہیں، اور سب تانبے کے ہین،

شاہ السلطان
محمود شاہ لطیف
شری جام

شمس الدنیا والدین

راناپور بندر کی مظفری راناپور بندر (کاٹھیاواڑ) نے بھی مظفری مسکوک کی، اس کے ایک رُخ پر مظفر شاہ السلطان اور اس کے نیچے رانا لکھا ہوا ہے، اور دوسری طرف شمس الدنیا والدین ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جام کو دیکھ کر رانا نے بھی سکے مسکوک کرنا شروع کر دیئے تھے، سنہ اس مین بھی نہین ہے، لیکن جام کی طرح اس کا بھی دوسرا رُخ بگڑ گیا ہے، جس مین صرف شمس پڑھا جاتا ہے، باقی لکیرین نظر آتی ہین، دبیز، پتلے چھوٹے بڑے سب قسم کے تانبے کے سکے موجود ہین،

خلفائے راشدینؓ

اس مین خلفائے راشدینؓ کے ذاتی حالات وفضائل، مذہبی اور سیاسی کارنامون اور فتوحات کا مفصل بیان ہے، نیمت :- صر طبع چہارم (مرتبہ مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم)

"منیجر"

اردو شاعری اور سیاست

از

جناب کلب علی خان صاحب رامپوری

اردو مین سیاسی شاعری کا وجود اکثر ارباب ادب کے نزدیک بیسوین صدی عیسوی سے پایا جاتا ہے، اس سے قبل کہین کہین معمولی سے اشارے ملتے ہین، اس مسئلہ مین آزاد اور حالی کی نظمون کو بنیاد اولین مان لیا گیا ہے، غدر سے قبل کی شاعری صرف گل و بلبل، ہجر و وصال، رقیب و دربان مین اور کنگھی چوٹی مین الجھی ہوئی تھی، اور اگر کسی نے قومی نظریہ پر لکھنا چاہا، تو صرف ہندو اور مسلمانون کے نقطۂ نظر سے لکھا گیا، حالی کی مسدس[۱] اسی کی آئینہ دار ہے،

تحریک آزادی[۲] | اردو کا سیاسی رجحان ۱۹۱۸ء کے بعد بالعموم ہندوستان کی ہر سیاسی قابلِ قدر اور ہر دل عزیز تحریک سے متاثر ہوتا رہا ہے، اب مزید مطالعہ کے بعد اس نظریہ مین تبدیلی ہوئی ہے اور ڈاکٹر اعجاز حسین صاحب کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ہندوستان[۳] مین قومیت کا وہ نظریہ نہین تھا جس کو آج دنیا زندگی سمجھتی ہے، خود یورپ مین قومیت کا جدید تصور اٹھارہوین صدی کے دوسرے نصف سے مانا جاتا ہے، اس سلسلہ مین اردو ادب کی چھان بین کسی نے گہری نظر سے نہین کی، اور ادھر ادھر سے جو نمونے پیش کئے گئے ہین، وہ کسی حد تک بھی قابلِ اطمینان نہین، اور یہ بطور کلیہ کے مان لیا گیا ہے کہ اردو شاعری کا رجحان زمانہ کے حالات اور تقاضون کے بالکل

---

[۱] نئے ادبی رجحانات ص ۹۰، از ڈاکٹر اعجاز حسین صاحب [۲] ایضاً ص ۱۲۶

[۳] فن کار اکتوبر نومبر ۱۹۵۳ء،

خلاف رہا، اور شعرائے اردو کسی اور دنیا کے رہنے والے تھے، جو ملک کے حالات سے بے خبر رہے، اور سوائے غزل کے فرسودہ مضامین کے اُن کو نئی شاہراہین نہ مل سکین، اس صحبت مین ہم اس غلط خیال کی تردید کے لئے اجمالاً مشاہیر شعرائے اردو کے کلام سے ایسے اشعار پیش کرین گے، جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیگی" کہ ہمارے شعراء زندگی کی حقیقتون سے بے خبر نہین تھے، اور اُن کی نظر مین سیاست کا خاکہ تھا گو دھندلا ہی سہی شہنشاہیت اور جاگیرداری نظام کے خلاف جو آوازین ہمین تھوڑے دنون سے سنائی دیتی ہین، وہ اردو ادب مین دو سو سال پہلے سے سنائی دے رہی تھین،

اردو شاعری مین جو سرمایہ فارسی سے منتقل ہوا، وہ غزل کی قدیمی روایات تھین، متقدمین نے انھین سر آنکھون پر رکھا، مگر اسی کے ساتھ انھون نے ہندوستانی رسم و رواج، ہندوستانی تہذیب و معاشرت کا پورا خاکہ بھی اپنے اشعار مین کھینچا، شیر شاہ سوری نے جس اتحاد قومی کی بنیاد ڈالی تھی، اور اکبر نے جس کو پروان چڑھایا تھا، وہ اگرچہ حکومت کے انحطاط کے ساتھ کمزور پڑ گئی، لیکن اتحاد قومی کا دامن کبھی بھی پارہ پارہ نہ ہو سکا،

اورنگزیب کی موت مغلیہ سلطنت کے لئے پیغام زوال تھی، اس کے جانشین خود اپنی حفاظت ہی نہ کر سکتے تھے تو ملک کی حفاظت کیا کرتے، ملک مختلف سیاسی، قومی اور مذہبی تحریکون مین بٹ گیا، آصف جاہ اول نے جنوبی ہند کے چھ صوبے دبا لیے، بنگال کا صوبہ دار خود مختار ہو گیا، گجرات اور راجستھان کے علاقے مرکز سے باغی ہو کر الگ ہو گئے، باہمی سازش اور جوڑ توڑ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹون نے صوبہ احمد آباد وغیرہ سے اُبھر کر پورے ہندوستان کو زیر و زبر کر ڈالا، اور بوڑھا بہادر شاہ اول چار برس مین ناکام زندگی گذار کر چل بسا، بیٹے نااہل تھے، آپس مین ٹکرا گئے، جہاندار شاہ کامیاب رہا، مگر جو تلوار کی چمک سے گھبرا جائے، وہ ہندوستان کے تخت پر کس طرح رہ سکتا تھا، چنانچہ کچھ دنون بعد جہاندار شاہ قتل ہوا، اور عنانِ حکومت فرخ سیر نے سنبھالی، اس کو سید برادران نے حکومت بخشی تھی، اور انھی کے ہاتھون چند سال بعد یہ نامراد شاہنشاہ ہندوستان قتل ہوا، مرزا بیدل جو سید برادران کے وظیفہ خوار شمار ہوتے تھے خاموش نہ رہ سکے، اور کہا "سادات بوی نمکحرامی کردند"

دہلی مین چند مہینون کے اندر کتنے بادشاہ ان بھائیون نے بنائے، آخر قرعۂ فال محمد شاہ کے نام پڑا، سید برادران ایرانی تورانی عصبیت کا شکار ہو کر بادشاہ گری کے منصب سے معزول و مقتول ہوئے، محمد شاہ کا آغازِ سلطنت ایسا دکھائی دے رہا تھا، کہ یہ ڈوبتی ہوئی کشتی شاید منجدھار سے نکل جائے، لیکن جوانی دیوانی مشہور ہے، محمد شاہ [illegible] جیسا عزم کہان سے پیدا کرتا، دہلی کی نام نہاد شاہی پر قناعت کر کے داد عیش و نشاط دینے لگا، امراء ایرانی تورانی گروہ مین بٹ گئے، راجپوتون نے مرکز سے رابطہ چھوڑ دیا، ایسی حالت مین مرہٹون کا عزمِ تسخیر پھر کیون کم ہوتا، ہر صوبہ دار باغی ہو گیا، دہلی کے متصلہ صوبے اگرچہ اہل امراء کے ہاتھون مین تھے لیکن مرکز کی کمزوری کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک نے اپنی فکر شروع کر دی، روہیل کھنڈ مین روہیلہ افغانون نے ایک نئی ریاست کی بنیاد ڈالی محمد خان بنگش نے دوسری ریاست فرخ آباد قائم کی، برہان الملک نے اودھ کی حکومت کا ڈھانچہ کھڑا کیا اس انتشار کا یہ نتیجہ نکلا کہ مرہٹون نے ۱۱۴۹ھ مین دہلی پر پہلا حملہ کر کے مرکزی حکومت کو میدانِ جنگ مین نیچا دکھا دیا، ۱۱۵۱ھ مین نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر کے دہلی کو زیر و زبر کر ڈالا، جس کا تصور بھی نہین کیا جا سکتا، یہی زمانہ ہماری اردو شاعری کا زرین دور کہلاتا ہے، متقدمین اردو شاعری کے اولین معمار ہی نہ تھے، بلکہ بعض حیثیتون سے اسکے خاتم بھی تھے، چنانچہ سودا اور میر کا ثانی پیدا نہ ہو سکا، اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ ان شعراء نے اپنے عہد کی ترجمانی کس حد تک کی ہے، ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اردو شعرائے متقدمین و متوسطین نے اپنے ماحول کی جو عکاسی کی ہے، اس سے بہتر ممکن ہی نہین ہے، ہندوستان اُس زمانہ مین جس تاریخی دور سے گذر رہا تھا، اُس کا پورا پورا نقشہ ہماری نظرون کے سامنے اردو شعراء نے پیش کر دیا ہے،

شعبان ۱۱۴۱ھ مطابق مارچ ۱۷۲۹ء

ہولی[2] کے دنون مین دہلی مین ایک ہندو جوہری کے ہاتھ سے ایک مسلمان جوتہ فروش مارا گیا، اس کا بڑا ہنگامہ ہوا، یہان تک کہ خطیب (بروز جمعہ جامع مسجد دہلی) کو

۱؎ اب اس مین اختلاف ہے کہ اس حملہ مین کتنے آدمی مرے آٹھ ہزار ڈیڑھ لاکھ تک تخمینہ کیا گیا ہے ... لوٹ کا تخمینہ کوئی ستر کروڑ کوئی پندرہ کروڑ گفتا ہے جواہرات علاوہ رہے، تاریخ ہند ذکاء اللہ ج ۸ ص ۲۰۰، ص ۲۵۹ ۲؎ روز جمعہ دہم شعبان ۱۱۴۱ھ ہجری

منبر پر سے کھینچ لیا گیا، روشن الدولہ نے جوہری کو اپنے یہان پناہ دی تھی، اس لئے اس کی مرمت بھی کی گئی قمر الدین خان وزیر اعظم بھی اس ہنگامے مین ذلیل ہوئے، ..... ان واقعات سے شعراء کا گروہ بھی متاثر ہوا چنانچہ مبتلا نے جوتہ فروش اور جوہری کے سلسلہ مین ایک شہر آشوب لکھ ڈالی، شہر آشوب مین واقعہ کی تفصیل کے ساتھ ساتھ روشن الدولہ کا بھی مضحکہ اُڑایا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعراء بھی شخصی نظام سے تنگ آ چکے تھے،

کتنون کو مار جی سے قضا نے گرا دیا کتنون کو جی بچا کے بہت ٹھہرا دیا

کاغذ پہ مبتلا نے یہ لکھ کر چڑھا دیا لگتے ہی مار جوتیون طرہ گرا دیا

تا حشر ہر زبان پہ رہے گا یہ یادگار

قبل ۲۴ رجب ۱۱۴۶ھ مطابق دسمبر ۱۷۳۳ء

شیخ نجم الدین عرف شاہ مبارک آبرو گوالیاری ثم الدہلوی، خانِ آرزو کے شاگرد بھی تھے، اور قریبی رشتہ دار بھی، عالمگیر کے آخری عہد مین اُن کی ولادت ہوئی، زندگی کی پچاس بہارین دیکھ کر ۲۴ رجب ۱۱۴۶ھ کو داعیِ ملکِ بقا ہوئے، اُن کی شاعری پر بڑا اعتراض یہی ہے کہ ایہام اور رعایت لفظی کی بھول بھلیان ہے، لیکن غائر نظر سے دیکھنے کے بعد ان خزف ریزون مین گوہر نایاب بھی ہاتھ آ ہی جاتے ہین، چنانچہ وہ بھی بگڑے ہوئے حالات سے مطمئن نہ تھے، چنانچہ اقتصادی بدحالی کا نقشہ اس شعر مین نظر آتا ہے،

اب زمانہ ہے، بے طرح بگڑا کیا بنے روزگار کی صورت

امراء اور اراکینِ حکومت عوام کی حالت زار سے جس قدر غافل تھے، یہ شعر اس کی پوری مصوری کرتا ہے؛

دلی مین دردِ دل کا کوئی پوچھتا نہین مجھ کو قسم ہے خواجہ قطب کے مزار کی

اقتصادی بحران عام تھا، جس سے عوام اور خواص دونون متاثر تھے، صرف چند اراکین سلطنت داد عیش

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴) ہنگامہ کفن فروشان شد ص ۴۴۹، تنقیح الاخبار مخطوطہ رضا لائبریری رامپور صفحہ ۲۲۶ تاریخ ہند جلد ہشتم مولوی ذکاء اللہ خان، واقعات محمد شاہی مخطوطہ ص ۷۰، ۷۱ ؎ مبارک اللہ آبرو تخلص از اولاد شیخ

دے رہے تھے، کچھ قدیمی امرازادے باپ دادا کا اندوختہ اڑا رہے تھے، لیکن وہ مخالف حالات کا کب تک مقابلہ کر سکتے تھے، جب کہ مرکز ٹوٹ چکا تھا، اور حکومت کی عطا کردہ جاگیرون پر نئے وارث بزورِ شمشیر قابض تھے جن سے مقابلہ کا اُن مین دم نہ تھا، اس لئے گھر کا سامان بیچ کر گذر بسر کر رہے تھے،

اکثر کوا دتے ہین گے کھٹ راگ نیچے بستر مین ۔۔۔ اکے امیرزادے بیٹھے سگھر ہین دہر مین

امیر اس جگ کے ہین سب تیر قالی ۔۔۔ زبانی ہے شجاعت ان سبھون کی

اور کیون سلطنت کی جاگیرین دہلی کے قریب ہی تھین، اس لئے وہ اطمینان سے عیش و عشرت مین مشغول تھے، اور مرکز کی اُن کو کوئی فکر نہ تھی، مگر جب مرہٹون نے صوبہ اکبر آباد (آگرہ) پر حملہ کیا، اس وقت اُمرا مین ہراس پیدا ہوا، امیر الامرا مرہٹون کی تنبیہ کو نکلے، مگر جب دیکھا کہ مرہٹون سے لڑائی اُن کے بس کی بات نہین، تو صلح کر کے لوٹ آئے، نواب عمدۃ الملک امیر خان انجام نے مزاحًا اس واقعہ کی تاریخ لکھی ہے جو آئینۂ حال ہے، مصرع

نواب آئے ہمارے بھاگ آئے،

۱۱۴۷ھ
۱۷۳۴ء

وفات ۱۱۵۷ھ سید محمد شاکر ناجی محمد شاہ کے ہم عصر اور قدیم شعراے اردو مین ہین، میر اور قائم نے اُن کو کم سنی مین دیکھا تھا، چیچک رو تھے، سپاہی پیشہ اور ہنس مکھ تھے، بات بات مین مزاح کرتے تھے، ہنگامۂ نادری کے بعد انتقال کیا، تیس ہزار شرفاے دہلی کا تہ تیغ ہونا، اور دہلی کا لٹنا، اپنی آنکھون سے دیکھا، ہندوستانی فوج کی حالت ناقابلِ بیان تھی، سپاہ کو نہ تو وقت پر تنخواہ ملتی تھی، نہ سامانِ جنگ تھا، امرا، بڑی بڑی جاگیرین دبائے بیٹھے تھے، فوج کی تنخواہ کہان سے ادا ہوتی، مصاحبین اور اربابِ نشاط پر انعام و عنایات کی بارش تھی، عمدۃ الملک امیر خان انجام جس شان و شوکت سے رہتا تھا وہ شاہِ وقت سے کم نہ تھی، اُس کے قتل پر ضبط شدہ سامان کا تخمینہ ساٹھ لاکھ روپیہ کیا گیا، لیکن مرتے وقت ملازمون کی تنخواہین واجب الادا تھین، اور چار دن کے بعد جب ادا ہوئین

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵) محمد غوث گوالیاری از مشاہیر ریختہ گویان، م ۲ رجب ۱۱۴۶ھ، تاریخ محمدی ص ۱۰۹،

اس وقت دفن ہونا نصیب ہوا، اس واقعہ سے ہم اُس عہد کا صحیح اندازہ کر سکتے ہین، ان حالات مین عیش پسند امرا، نادری فوج کا مقابلہ کس طرح کر سکتے تھے، ناجی نے شہر آشوب مین اس ماحول کی سچی تصویر کھینچی ہے، دو بند ملاحظہ ہون،

لڑتے ہوئے تو برس میں اُن کو بیتے تھے ۔۔۔ دعا کے زور سے دائی دوا کے جیتے تھے

شرابین گھر کی نکالے مزے سے پیتے تھے ۔۔۔ نگار و نقش مین ظاہر گویا کہ چیتے تھے

گلے مین ہنسلیان، بازو اوپر طلا کی نال

قضا سے بچ گیا مرنا نہین تو ٹھانا تھا ۔۔۔ کرین نشان کے ہاتھی اوپر نشانا تھا

نہ پانی پینے کو پایا وہان نہ کھانا تھا ۔۔۔ ملے تھے وہان جو لشکر تمام جھانا تھا

نہ ظرف و مطبخ و مکان، نہ غلہ و بقال

وفات ۱۱۹۴ھ سید عبد الحی تابان دہلوی، حاتم، سودا اور محمد علی حشمت کے شاگرد شمار ہوتے ہین، محمد شاہی دور کے نوجوان شعرا مین تھے، غالبًا اُن کی ولادت ۱۱۳۰ھ ہجری کے لگ بھگ ہوئی، مختلف امرا سے وابستگی رہی، خصوصًا نواب عمدۃ الملک امیر خان کی تعریف دیوان مین پائی جاتی ہے، تابان نے ہوش سنبھالتے ہی ہنگامۂ نادری دیکھا، دلی عروس البلاد تھی، نادر شاہ نے تیس ہزار بے گناہ شہریون کو تہ تیغ کر کے اپنا رعب قائم کیا، اور ہر مالدار سے انتہائی اذیت کے ساتھ روپیہ حاصل کیا، تخت طاؤس جو نادر روزگار تھا مع تمام مالِ غنیمت کے ہندوستان سے لے گیا، محمد شاہ کی رگون مین تیموری خون تھا، لیکن روانی نہ تھی، تلوار ہاتھ سے چھوٹ چکی تھی، اتنی عبرت انگیز تباہی بھی اُس کی آنکھین نہ کھول سکی، وہ خود محفوظ رہا، اس لئے عوام و خواص کا درد محسوس نہ کر سکا، مگر تابان کا ہندوستانی خون کھولنے لگا، اُس نے اس شکست کو اپنی شکست، اور اس تباہی کو اپنی تباہی سمجھا، تخت طاؤس شاہجہانی اُس کے وقار، وطن کا باعث تھا، نادر کا تخت لیجانا ہندوستان کی عزت پر حملہ تھا، اُس نے عوام کے درد کو محسوس کیا اور پکار اٹھا،

داغ ہی ہاتھ سو نادر کے مرا دل تاباںؔ — نہیں مقدور کہ جا چھین لوں تخت طاؤس

محمد شاہ کی رنگین مزاجی ہندوستان کی تباہی کا باعث بنی، عوام اسے محسوس کر چکے تھے، تاباںؔ نے ہندوستان کے اس عیش پرست بادشاہ پر بھی طنز کیا ہے، کہ اگر اسکندر کی طرح محمد شاہ بھی جرأت کرے، تو ہندوستان کے زیر نگین دنیا ہو سکتی ہو، مگر محمد شاہ کے کانوں تک یہ آواز کون پہنچاتا، ذرا اس حب الوطنی کو دیکھیے، جو [illegible] میں تاباںؔ نے محسوس کی تھی،

طرح اسکندر کے تاباںؔ شاہ ہفت اقلیم ہو — گر تنک اک جرأت کرے یہ خسرو ہندوستان

وہ محمد شاہ کی تباہی کا ذمہ دار عیش دوست امراء کو قرار دیتا ہے،

دیکھ کر اُن کے تئیں شاہ بھی مردی پکڑے — جو شجاعت کا اگر جز ہو امیروں کے بیچ

دلی کی بربادی کا نقشہ ان شعروں میں نظر آتا ہے،

فرش پر مخمل کے جو سوتے تھے پائے — اب میسر اُن کو نہیں ہوتا ہے ٹاٹ
گھر کے گھر خاک میں مل گئے ہیں فلک کے ہاتھوں — پر نہیں اس کی خرابی کے کچھ آثار ہنوز

سرمایہ داروں کو تنبیہ کرتا ہے،

وہ کام تو کر جس سے تری گور ہو گلزار — کیا خانہ و دیوار کو کرتا ہے مقرنس
یہ دولت مند اگر شب کو نہیں یار تو پھر کیا ہے — کہ ہیں یہ چاندنی راتوں کو بھی محتاج مشعل کے

زندگی گذارنے کا طریقہ بتاتا ہے،

مرد کہتے ہیں اُسی مرد کو سب اہل تمیز — جو کرے زیست کو دنیا میں قلندر کی طرح

اس کے بعد شاہ عبد الغفور جیسے فقراء پر جو عوام و خواص کو دام تزویر میں پھنسا کر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹتے تھے، اس طرح طنز کرتا ہے،

یہ جو ہیں اہل ریا آج فقیروں کے بیچ — کل گنیں گے حقا انھی کو پیروں کے بیچ

تاباںؔ اپنے دور کی پریشان حالی کا ذکر کرتا ہے، مگر حالات پر گہری نظر نہ تھی، اس کے لہجہ میں یاس پائی جاتی ہے،

اس زمانے میں تو اب زیست ہوا ہوں تنگ — تنگی گور بھلی، وسعت دوراں کے عوض

مساوات کی تعلیم بھی دیتا ہے، جس کو ہم خواہ کمیونزم نہ کہہ سکیں، ترقی پسند خیالات ماننے پر مجبور ہیں،

ہر شاہ و گدا میں فرق لیکن تاباںؔ — آزاد کے نزدیک ہیں دونوں یکساں
شاکی تو کسی طرح سے دنیا میں نہ ہو — دن عمر کے ہر طرح سے کٹ جائیں گے یاں

ولادت ۱۱۳۷ھ
وفات ۱۱۶۹ھ

انعام اللہ خان یقینؔ مجدد کے پیرزادے تھے، نانا شاہی امراء میں تھے، مرزا مظہر جان جاناں سے نسبت شاگردی ہی نہ تھی بلکہ اُن پر اُستاد کی خاص توجہ تھی، اُن کے معاصرین اُن کے مقبول عام کلام سے حسد کرنے لگے، اُن کا تغزل شیرینی و لطافت درد و اثر اور موسیقیت سے معمور ہے، اُن کی ولادت ۱۱۳۷ھ کے لگ بھگ ہوئی، محمد شاہی دور نشاط میں غزل ہی زندگی میں چھائی تھی، مگر اس پردہ میں بھی کہیں کہیں ماحول کی تصویر آجاتی ہے، رشوت ستانی عام تھی، وزراء و امراء عہدوں کے لئے شاہ وقت کو لاکھوں اور کروڑوں روپیے بطور نذرانہ پیشکش کرتے تھے، اور پھر جاگیرات سے لوٹ کھسوٹ کر اس کمی کو پورا کرتے، اس کی تصویر اس شعر میں ملاحظہ ہو،

خدمتوں میں بھی تجارت ہے، ہے زیادہ منفعت — رشوتوں میں تب تو لاکھوں دے کے لیتے ہیں کروڑ

شاعر زمانہ کے حالات میں تبدیلی کا خواہش مند ہے، دوست احباب روکتے ہیں، کہ اس وادی پر خار میں قدم نہ رکھو، اس کے جواب میں کہتا ہے،

عمر آخر ہے جنوں کر لوں بہاراں پھر کہاں — ہاتھ مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں
یقیں سے جلتے بجھے کا سر آنا بھی نہ ٹھکراؤ — اس آتش سے ارے کو دامن دراز و ہم کہ جلد بجھو
بہار آئی ہمیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہہ — چمن میں رہنے یا دے گا ہمارا آشیاں سچ کہہ

ان اشعار مین دلی جذبات کی ترجمانی کے ساتھ دنیا کے مسائل پر بھی دھیمے دھیمے لہجے مین اشارے ہین، اور غزل کی نرم زبان مین ولولۂ مردانہ ہی،

ولادت ۱۱۱۱ھ
وفات ۱۱۹۶ھ

ظہور الدین شاہ حاتم ۱۱۱۱ھ مین پیدا ہوئے ۱۱۲۸ھ مین میدان سخن مین قدم رکھا، اور سودا کی استادی سے شہرت پائی، عالمگیری عہد مین پیدا ہوئے، اور شاہ عالم کے عہد کی مرہٹہ گردی دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے ۱۱۶۹ھ مین دیوان زادہ مرتب کرکے قدیم دیوان کو جدید دیوان مین شامل کر دیا، انھون نے بھی شہر آشوب لکھا، اور اپنے عہد کا صحیح خاکہ کھینچا، مسلسل انقلابون کے اثر سے آخر مین تصوف کے دامن مین پناہ لی، مشاعرون کا شوق آخر عمر تک رہا، جاگیردارانہ نظام کی ٹوٹ پھوٹ اُن کی نظر مین انوکھی تھی، عوامی طاقتین اُبھرنے لگی تھین، دولت محلون سے کھنچ کر عوام مین پہنچنے لگی تھی، متوسط طبقہ جو امرا کا دست نگر تھا، زیادہ پریشان حال تھا، پرانے امرا کی جاگیرین نئے طاقت ور حکمرانون مین بٹ چکی تھین، اس لئے اب شعرا کی پرورش کون کرتا، علما، صلحا، فقرا، دست نگر کس کے پاس جاتے، حاتم سپاہی پیشہ تھے، اس لئے ان واقعات پر جھنجھلا اٹھتے ہین، دلی مین بادشاہ مین فوج رکھنے کی طاقت ہی نہ تھی، امرا، باتون سے کام چلانا چاہتے تھے، غیرت و حمیت اُٹھ چکی تھی، دلی پر روزانہ حملے ہوتے رہتے، جس مین عوام و خواص فوجون کے ہاتھون تباہ و برباد ہوتے، شہر آشوب مین حاتم نے اس طبقاتی کشمکش کو صحیح طور پر پیش کیا ہے، جس کی روشنی مین بہت سے تاریخی مسائل حل ہوتے ہین، اُس کے کچھ بند ملاحظہ ہون،

نہ کھولا چشم حق، اور دیکھ قدرت حق یار   کہ جس نے ارض و سما، اور کیا ہے لیل و نہار
نہ کھو تو عمر کو غفلت مین تک تو ہو ہشیار   کہ دور بادۂ عدمی کا ہے سخت کج رفتار
جہان کے باغ مین یکسان ہے اب خزان و بہار

شہرون کے بیچ عدالت کی کچھ نشانی نہین   امیرون بیچ سپاہی کی قدردانی نہین
بزرگون بیچ کہین بوے قدردانی نہین   تو منع کھانے کو چاہو کہین تو پانی نہین

گویا جہان سے جاتا رہا سخاوت و پیار

یہان کہ قاضی و مفتی ہوتے ہین رشوت خور   یہان کے دیکھ لو سب اہلکار ہین گے چور
یہان کرم سے نہین دیکھتے ہین اور کی اور   یہان سبھون نے بھلائی پہ دل سے موت اگور
یہان نہین ہے مدارا بغیر دار و مدار

امیر زادے ہین حیران، اپنے حال کے بیچ   تھے آفتاب، پر اب آگئے زوال کے بیچ
پھرے ہین چرخ سے ہر دن تلاش مال کے بیچ   وہی گھمنڈ امارت کا پر خیال کے بیچ
خدا جو چاہے تو پھر ہو، پر اب تو ہے دشوار

حرام خور جو تھے اب حلال خور ہوئے   جو چور تھے جو سو ہوئے شاہ، شاہ چور ہوئے
جو زیر دست تھے سو ان دنون مین زور ہوئے   جنھون کو زور تھا سو اب مثال مور ہوئے
جو خاک چھانتے پھرتے تھے سو ہوئے زردار

جہان مین صاحبِ خس خانہ گھاس والے ہین   جنھون کے محل تھے اُن کو کھنڈر کے لالے ہین
کئی جو ہم نے بھی ٹکڑے کھلا کے پالے ہین   سو اب دماغ مین وہ رانی خان کے سالے ہین
وہ ہین سلام طلب ہم سے جب کہ ہو ہین دوچار

عجب یہ الٹی بہے ہے گی باد دلی مین   کہ شاہ باز چڑیمار کی ہے انٹی مین
روغن فروش کی ہین پانچون انگلیان گھی مین   جنگل کو چھوڑ کے بوم آ بسے ہین بستی مین
نجیب چھوڑ کے شہرون کو ہین جنگل مین خوار

کرے ہے چرخ اگر تجھ اوپر جفا حاتم   تو سفلے پاس نہ کر جا کے التجا حاتم
ترے ہے رزق کا ضامن سدا خدا حاتم   تو انقلاب زمانہ سے غم نہ کھا حاتم
کہ تجھ کو رزق بہت اور روزگار ہزار

حاتم نے کتنا سچا نقشہ اپنے عہد کا کھینچا ہے، اُس نے امراے سلطنت سے آگے بڑھکر کھلم کھلا کہہ دیا کہ بادشاہ مین عدالت نہین اور قاضی و مفتی رشوت خوار اہلکارانِ حکومت چور ہین،

ولادت سنہ ۱۱۱۸ھ
وفات سنہ ۱۱۹۵ھ

مرزا رفیع سوداؔ مشہور عالمگیری امیر اور ادیب نعمت خان عالی کے نواسے[1] اور مرزا محمد شفیع کے بیٹے تھے، جو اپنے عہد کے نامی تاجر تھے، عالمگیر کے سالِ وفات مین یہ آفتاب طلوع ہوا، بہادر شاہ اور جہاندار شاہ کے عہدِ حکومت مین تو انھین اتنا ہوش نہ تھا کہ واقعات مین تمیز کرتے، البتہ فرخ سیر کے زمانہ مین اتنی عمر ہو چکی تھی، کہ انقلاب کی ہواؤن سے متاثر ہوے، محمد شاہ کے آغازِ عہد مین یہ جوان تھے، مرہٹون کا دلی پر جب پہلا حملہ سنہ ۱۱۴۹ھ مین ہوا، اور کالکا کے میلہ کو لوٹا گیا، تو شہر مین ہل چل پڑ گئی، وزیرِ اعظم قمرالدین خان اور امیرالامرا مرہٹون کی سرکوبی کے لئے فوجین لے کر دلی سے جا چکے تھے، ایسی حالت مین کچھ منچلے جوان مقابلے کو چلے لیکن وہ دم خم کہان تھا جو جنگ جو قوم کے لئے ضروری ہے، یہ لڑائی سوداؔ نے دیکھی تھی، اس سلسلہ مین اُس نے قصیدہ تضحیکِ روزگار لکھا، جس مین نظامِ حکومت پر تنقید کی ہے، اور گھوڑے کی ہجو کے پردے مین تاریخی پس منظر صاف جھلک رہا ہے۔

جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے — ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہون مین کہ زمانہ کے ہاتھ سے — موچی سے نقش پا کو لگاتے ہین وہ اُدھار

آگے چل کر سوار اور سواری کا ذکر سنیئے،

دلی مین آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ — مجھ سے کہا نصیب نے آکر ہے وقت کار
مدت سے کوڑیون کو اُڑایا ہے گھر مین بیٹھ — ہو کر سوار اب کرو میدان مین کارزار
اتنے مین مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دوچار — گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خوار

[1] مرزا محمد رفیع صاحب مرحوم مغفور ولد مرزا محمد شفیع متخلص سوداؔ، پسر دختر نعمت خان عالی، در ریختی سخنی زبان ہندی زبانِ خویش نظیرے نہ داشت...... توصیف کلامش از تحریر بیرون، مجمع الانتخاب، از شاہ کمال،

جاتا تھا جب ڈپٹ کے مین اس کو حریف پر — دوڑون تھا اپنے پاؤن سے جون طفلِ نے سوار
جب دیکھا مین کہ جنگ کی اب بن بندھی ہے شکل — لے جوتیون کو ہاتھ مین گھوڑا بغل مین مار
دھر دھمکا وہان سے لڑتا ہوا شہر کی طرف — القصہ گھر مین آن کے مین نے کیا قرار

سوداؔ نے شیدی فولاد خان کی ہجو مین جو مثنوی کہی ہے، وہ صرف ذاتی عناد کا مسئلہ نہین، بلکہ اس مین پولیس کی نااہلیت کو ثابت کیا گیا ہے، اس کا لہجہ اگرچہ تمسخرانہ ہے لیکن تنقید سیاسی ہے، شیدی فولاد خان دلی کا کوتوال تھا، چوریون کا زور ہوا، اور اُس سے انسداد نہ ہو سکا، تو سوداؔ نے حکومت کو متوجہ کرنے کے لئے مزاحیہ انداز مین یادگارِ زمانہ ہجو لکھ ڈالی، اس مین کوتوال اور چورون کا مکالمہ بڑا دلچسپ ہے، سوداؔ نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ امرار کے مکان چورون کے اڈے ہین، کوتوال کا بیان قابلِ غور ہے۔

بولے ہر وہ کہ مین بھی ہون ناچار — گرم ہے چوٹون کا اب بازار
کرتے ہین مجھ سے اب بجا کر ڈھول — میری پگڑی کا میرے سر پہ مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور — دیکھ تو ٹک کہان کہان ہے چور
مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل — ہے امیرون کے گھر مین چور محل

اسی طرح شہر آشوب مین سوداؔ نے بھی دلی کا مرثیہ نہین لکھا ہے، بلکہ مغل حکومت کے دم توڑنے اور عوام و خواص کی تباہی و بربادی کا نقشہ بھی دکھایا ہے، ایسی حالت مین اگر یہ شہر آشوب قومی مرثیہ نہین تو کیا ہے،

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار — تلاش کرکے ڈھیلتی اُنھون نے ہو ناچار
نہ ان قرض مین بنیون کے وہی سپر تلوار — گھرون سے اب جو نکلتے ہین لیکے وہ ہتھیار

بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ مین کچکول

دیا بھی وان نہین روشن تھی جس جگہ فانوس — پڑے ہین کھنڈرون مین آئینہ خانہ کے مانوس

کروڑوں پڑ از اُمید ہوگئے مایوس	گھرون سے یون تیجا کے نکل گئی ناموس

ملی نہ ڈولی انھین جو تھے صاحب چنڈول

نجیب زادیون کا ان دنون ہے یہ معمول	وہ برقعہ سر پہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول
ہے اُن کی گود مین لڑکا گلاب کا سا پھول	اور اُن کے حسب طلب کا ہر اک سے یہ اصول

کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

غرض مین کیا کہون یارو کہ دیکھ کر یہ قہر	کروڑ مرتبہ خاطر مین گذرے ہے یہ لہر
جو ٹک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دہر	تو بیٹھ کر کہین یہ روئیے کہ مردم شہر

گھرون سے پانی کو باہر کرین جھکول جھکول

باقی

نوائے حیات

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحاب ذوق پوری طرح واقف ہین، وہ دوبارہ چھپ گیا ہے، اس اڈیشن مین بہت سی نئی غزلون اور نظمون کا اضافہ ہے، اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہوگیا ہے، اس کے شروع مین مولٰنا سید سلیمان ندوی کے قلم فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ ہے۔

قیمت مجلد للعہ

غیر مجلد ہے

" منیجر "

تصحیح واستدراک

بسلسلۂ پورب کی چند برگزیدہ ہستیان

از

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی

(۱) اس مضمون مین شاہ یٰسین کو مین نے حضرت مخدوم شاہ طیب کا فرزند اس بنیاد پر لکھا تھا کہ تذکرہ کی بعض کتابون مین ایسا ہی لکھا ہے، مثلاً بحر زخار مین ہے،

"شاہ یٰسین خلف وخلیفہ شاہ طیب .... مناقب العارفین نام کتاب در احوال اولیاء جمع نمودہ"

لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ اُن کے پروردہ ضرور تھے، مگر اُن کے بیٹے نہین تھے، اُن کے والد کا نام شیخ احمد تھا، اور وہ بندگی شیخ ادھجر صدیقی جونپوری کی اولاد مین سے تھے، سلسلۂ نسب اس طرح پر ہے، شاہ یٰسین بن شیخ احمد بن شیخ محمد بن شیخ عبدالرحیم بن بندگی شیخ ادھجر، شاہ یٰسین کا مزار جھوسی مین شیخ نصیر الدین استاد العلماء کے روضہ کے اندر ہے، ملاحظہ ہو سمات الاخیار ص ۸۶)

(۲) ایک جگہ مین نے شاہ یٰسین کے کنڑہ جانے اور وہان شیخ جمال اولیاء کی خدمت مین ان کی تحصیل علم کا ذکر کیا ہے، یہان کنڑہ کے بجائے کوڑہ صحیح ہے، غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ فارسی کی قلمی کتابون مین کنڑہ اور کوڑہ دونون کو کرہ لکھا جاتا ہے مگر پہلے کو کرَہ پڑھا جاتا ہے اور دوسرے کو کُرّہ، ابتداءً مجھ کو تنبہ نہین ہوا، اور مین نے مناقب العارفین مین لفظ کرہ دیکھ کر اس مضمون مین اس کو کنڑہ لکھ دیا، بعد مین تنبہ ہوا کہ شیخ جمال اولیاء کا وطن تو

کوڑہ (جہان آباد) تھا، اور وہی اُن کی جاے اقامت تھی، جیساکہ تقصار (ذکر میر سید محمد کالپوری) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہی، اس لیے تصحیح کی ضرورت پیش آئی، کوڑہ کو بحرزخار مین اس شکل سے لکھا ہے کُرّہ، ملاحظہ ہو بحرزخار قلمی نسخہ فرنگی محل، کر شیخ سالار بدھ کر دی،

(۳) اسی طرح مین نے شیخ سالار بڈھ کو ساکن کڑہ لکھا ہے، یا یہ لکھا ہے کہ اُن کا مزار کڑہ (مانک پور) مین ہے، وہان کڑہ کے بجائے کوڑہ (جہان آباد) ہونا چاہیئے، بحرزخار مین ہے کہ شیخ سالار بڈھ کی وفات ۹۴۶ھ مین ہوئی اور کُرّہ (کوڑہ) کے جنگلہ مین اُن کا مزار ہے، اور مناقب العارفین مین ہے کہ

"بر عوارف شرحے خوب نوشتہ"

(۴) مناقب العارفین مین شاہ حسن کے سالِ وفات کا جہان ذکر ہے، وہان تسع مائۃ تو بالکل صاف ہی، اس سے پہلے کے الفاظ مشکوک ہین، اس لیے مین نے اُن کا سال وفات ۹۰۰ھ لکھدیا ہے لیکن شیخ فرید کے حال مین شاہ یٰسینؒ نے لکھا ہے کہ ان کی وفات شاہ حسن کے تھوڑے ہی دن بعد ہوئی ہے، اس لیے صحیح یہ معلوم ہوتا ہی کہ شاہ حسن کا واقعۂ شہادت بھی ۹۰۶ھ مین پیش آیا، مناقب العارفین مین اس مقام پر بھی کاتب کے تصرف سے عبارت منحرف ہوگئی ہی ورنہ بات بالکل صاف ہوجاتی،

تنبیہ: مولانا سید عبدالحئی ناظم ندوہ نے "نزھۃ الخواطر" جلد چہارم مین غالباً "گنج رشیدی" کے حوالہ سے اور صاحب بحرزخار نے بھی شاہ حسن کا سالِ وفات ۹۶۰ھ لکھا ہے، مگر یہ قطعاً غلط ہی اس لئے کہ دونون بزرگون نے شیخ فرید کا سال وفات ۹۰۶ھ لکھا ہے اور شاہ یٰسین نے تصریح کی ہے کہ شاہ حسن کی وفات شیخ فرید کی زندگی مین ہوئی ہے،

استفسار و جواب

قرآن کی جمع و ترتیب کے سلسلہ میں ایک سوال

عبدالرشید صاحب ڈاکخانہ موسیٰ بنی مائنس
مان بھوم۔ بہار

حدیث کی تمام معتبر کتابون مین مذکور ہے، کہ قرآن کی جمع و ترتیب کے وقت ایک صحابی حضرت خزیمہؓ کے تنہا بیان پر قرآن مین ایک آیت داخل کرلی گئی، اس لئے کہ اُن کی تنہا شہادت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادت کے برابر قرار دیا تھا، مگر ایک دوسرے موقع پر حضرت عمرؓ نے آیت رجم الشیخ والشیخۃ اذا زنیا الخ کے بارے مین کہا کہ یہ قرآن کی ایک آیت ہی، تو وہ داخل نہین کی گئی، کیا حضرت عمرؓ کا درجہ حضرت خزیمہؓ سے کم تھا، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بارے مین یہ نہین کہا تھا کہ اگر میرے بعد نبوت کسی کو ملتی تو عمرؓ کو، پھر اُن کے اکیلے بیان پر آیت رجم قرآن مین کیون نہین داخل کی گئی، ان واقعات کو پڑھ کر دل مین ایک خلجان پیدا ہوتا ہے، براہِ کرم اس کا کوئی تشفی بخش جواب عنایت فرمایئے،

معارف: آپ کے استفسار کے جواب مین چند باتین عرض کی جاتی ہین، اُمید ہے کہ ان سے آپ کا خلجان رفع ہوجائے گا،

یہ بات کسی روایت مین بھی مذکور نہین ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا ہو کہ فلان آیت کو قرآن مین

داخل کرلیا جائے مگر اس بارے مین ان کی تنہا شہادت کافی نہین سمجھی گئی، اس لئے وہ آیت قرآن مین داخل نہین کی گئی، آپنے جس روایت کا حوالہ دیا ہے، اس مین بھی اس کا کوئی ذکر نہین ہے، رہا عربی کا وہ ٹکڑا جسے آپنے نقل کیا ہے تو اس بارے مین تو یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو آیت رجم قرار دیا تھا، اور نہ وہ سرے سے قرآن کا جز تھا ہی، اس لئے اس کے قرآن مین داخل کرنے کا کوئی سوال نہین پیدا ہوتا تھا، خواہ اس کے لئے ایک کیا کتنی شہادتین کیون نہ مل جاتین، بخلاف حضرت خزیمہ انصاریؓ کی شہادت کے کہ یہ تنہا چیز نہین تھی کہ ان کی اکیلی شہادت دو کے برابر تھی، اس لئے وہ آیت قرآن مین داخل کرلی گئی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی جمع و ترتیب کے وقت جو آیتین، سورہ توبہ اور سورہ احزاب کا جز بنائی گئین وہ قرآن مجید کا مسلمہ جز تھین، سیکڑون صحابہ کو وہ آیتین زبانی یاد تھین، بارہا نمازون مین پڑھی گئی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خود کاتبین وحی سے لکھوایا تھا، اور ان کے فضائل بیان کئے تھے، اس لئے ان کے قرآن کا جز ہونے مین کوئی شبہہ یا شک نہین تھا بلکہ زبانی شہادت کے ساتھ صرف اس کی تحریری ثبوت کا مرحلہ دیکھا گیا تھا، جس کی تکمیل حضرت خزیمہؓ کی تصدیق کے ذریعہ ہوئی، اس لئے دونون واقعون مین بڑا فرق ہے، آیت رجم کے سلسلہ مین آپ کو جو خلجان ہے، اس پر معارف کے کسی آئندہ نمبر مین تفصیلی بحث کی جائیگی، البتہ حضرت خزیمہؓ کے جس واقعہ سے قرآن کی جمع و ترتیب کے بارے مین آپ کو جو خلش پیدا ہوگئی ہے، اس کے بارے مین تھوڑی سی تفصیل کردیجاتی ہے جس سے واقعہ کا پورا پس منظر سامنے آجائیگا اور آپ کی خلش دور ہوجائے گی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا کوئی حصہ نازل ہوتا تھا، تو آپ کاتبین وحی کو بلاکر ہدایت فرماتے تھے کہ اس حصے کو یا اس سورہ کو فلان سورہ مین فلان آیت یا فلان سورہ کے بعد لکھا جائے، چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق وہ لکھ لیا جاتا تھا، اس طرح آپ کی حیات مبارکہ ہی مین پورا قرآن احاطۂ تحریر مین آچکا تھا، مگر اس وقت تک عرب مین کاغذ کا عام رواج نہین ہوا تھا، اس لئے قرآن کے نازل شدہ حصے کبھی کھجور کے پتون کبھی درختون کی چھالون اور کبھی ہڈیون کے ٹکڑون اور پتھر کی سلون پر لکھ لئے جاتے تھے، نیز عرب مین اس وقت تک لکھنے پڑھنے کا بھی عام رواج نہین تھا، اہل عرب زیادہ تر اپنے حافظہ سے تحریر کا کام لیتے تھے، صحابہ مین صرف چند آدمی لکھنا پڑھنا

جانتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی مین سے چند ذہین افراد کو کلام الٰہی کی کتابت کے لئے مقرر فرمایا تھا، مگر قرآن کا نزول تئیس برس کی مدت مین رفتہ رفتہ ہوا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ اس پوری مدت مین ہر کاتب ہر وقت خدمت نبوی مین موجود نہین رہ سکتا تھا، اس لئے نزول قرآن کے وقت جو کاتب وحی موجود ہوتا، آپ نازل شدہ حصہ اس کو لکھوادیا کرتے تھے، اس طرح پورا قرآن تحریر مین آجانے اور سیکڑون آدمیون کو زبانی یاد ہونے کے باوجود اس کے اجزاء سورتین اور آیتین منتشر اور غیر مرتب شکل مین مختلف افراد کے سینون اور سفینون مین تھین، پورا قرآن ایک صحیفہ کی شکل مین مرتب و مدون نہین ہوا تھا، اور آپؐ کی حیات مبارکہ مین یہ کام ہو بھی نہین سکتا تھا، کیونکہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا، آپ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے دل مین یہ مبارک خیال پیدا ہوا کہ قرآن کے منتشر اور متفرق اجزاء کو ایک صحیفہ کی شکل مین جمع کردیا جائے، انھون نے اپنے اس خیال کا ذکر حضرت صدیقؓ سے کیا، ان کو اس مین اس وجہ سے تامل ہوا کہ حیات نبویؐ مین یہ کام انجام نہین پایا تھا، مگر پھر ان کے ذہن مین بھی جلد ہی اس کی مصلحت آگئی، اور وہ اس کے لئے آمادہ ہوگئے، اور انھون نے اس کام کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو کاتب وحی ہونے کے ساتھ پورے قرآن کے حافظ اور نہایت ذہین اور عربی و عبرانی دونون زبانون کے واقف کار تھے، مقرر کیا، گو ان کی مدد کے لئے کچھ اور صحابہ بھی تھے، جن مین ایک نام حضرت عمرؓ کا بھی لیا جاتا ہے[1] مگر اس کام کے اصل ذمہ دار یہی بنائے گئے، اس کے بعد حضرت فاروقؓ نے عام اعلان کرادیا کہ جن لوگون کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو خواہ زبانی ہو یا تحریری، اسے وہ لاکر پیش کرین[2]، ان مراحل کے طے ہوجانے کے بعد حضرت زیدؓ نے قرآن کے منتشر اجزاء کی تدوین و ترتیب شروع کردی۔

حضرت زیدؓ گو خود پورے قرآن کے حافظ تھے، مگر حضرت ابو بکرؓ کے حکم اور شدت احتیاط کی بنا پر ہر آیت کے موقع و محل اور اس کے تلفظ و قرأت کے بارے مین زبانی شہادتون کے ساتھ دو تحریری شہادتین بھی لیتے جاتے تھے، چنانچہ جب سورۂ توبہ کی آخری دو آیتون اور سورۂ احزاب کی ایک آیت کے موقع و محل کا ثبوت تلاش کیا جانے لگا، تو اس کی زبانی شہادتین تو بہت تھین لیکن تحریری شہادت محض ایک ملی یعنی اول الذکر آیتین حضرت ابو خزیمہؓ کے پاس، اور

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۱۲، [2] ایضاً،

آخر الذکر آیت حضرت خزیمہ انصاریؓ کے پاس لکھی ہوئی ملی،[1] مگر اُن کے سورۂ توبہ اور سورۂ احزاب کا جزء ہونے کا علم اُن کو پہلے سے تھا، اس لئے اُن کے بارہ میں ایک ہی شہادت کافی تھی، اور وہ قرآن کا جزء بنا دی گئیں،

عاجز کی تحقیق میں اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ آیتیں محض ایک ایک ہی صحابی کے پاس لکھی ہوئی تھیں، تاہم اُن کا جزء قرآن ہونا مسلّم تھا، اور محض عہد نبویؐ کے کسی معتبر نوشتے سے یہ اطمینان کر لینا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو سورۂ توبہ اور سورۂ احزاب ہی کا جزء قرار دیا تھا، اور یہ مقصد ایک ہی شہادت کے ذریعہ پورا ہو گیا، دو دو شہادتوں کا لینا فی نفسہٖ اصل مقصد نہیں، بلکہ مقصد کا ذریعہ تھا،

اس سلسلہ میں اب آپ حضرت زیدؓ کا بیان ملاحظہ فرمائیں، وہ فرماتے ہیں، کہ جب اس کام کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی، تو شروع میں میں نے اس کے اٹھانے میں پس و پیش کیا، مگر پھر اس کے لئے کمر ہمت باندھ ہی لی،

فتتبعت القرآن اجمعه من اللخاف	اور قرآن کے اجزاء کھجور کی چھالوں، پتھر کی تختیوں
والعسب وصدور الرجال حتی	اور لوگوں کے حافظے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع
وجدت من آخر سورة التوبة	کرنے لگا، چنانچہ سورۂ توبہ کی دو آخری آیتیں
آیتین مع ابی خزیمة لم اجدها	ابو خزیمہ کے پاس لیں، اُن کے علاوہ میں نے
مع احد غیره[2]	اس کی تحریر کسی کے پاس نہیں پائی،

سورۂ احزاب کی آیت کے بارہ میں اُن کا بیان یہ ہے،

لما نسخنا الصحف فی المصاحف	جب ہم لوگ قرآن کے اجزاء کو صحیفوں میں
فقدت آیة من سورة الاحزاب	منتقل کرنے لگے، تو سورۂ احزاب کی ایک

[1] سورۂ احزاب کی آیت کی شہادت کے واقعہ کو بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا واقعہ قرار دیا ہے، جب مصحف صدیقی کی نقل سارے ممالک اسلامیہ میں بھیجی جا رہی تھی، مگر بہر نوع جو باتیں اس سلسلہ میں کہی گئی ہیں، ان پر اس اختلاف زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا، [2] بخاری ج ۲ باب جمع القرآن،

کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ	آیت کی تحریر نہیں ملی، حالانکہ میں اس آیت کو آنحضرت
علیه وسلم یقرأ بها لم اجدها مع	صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر سنا کرتا تھا، تلاش
احد الا مع خزیمة الانصاری	کے بعد اس کی تحریر حضرت خزیمہ انصاریؓ کے
الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ علیه	پاس ملی جن کی تنہا شہادت کو آنحضرت صلی اللہ
وسلم شهادته شهادة رجلین[1]	علیہ وسلم نے دو کے برابر قرار دیا تھا،

ان دونوں بیانوں سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے تمام اجزاء، سورتیں اور آیتیں لوگوں کے سینوں اور سفینوں میں موجود و محفوظ تھیں، حضرت زیدؓ نے صدیق اکبرؓ کے مشورے سے اتنا کام کیا کہ ان منتشر اجزاء کو نہایت احتیاط کے ساتھ منشائے نبوی کے مطابق مرتب و مدون کر دیا،

آپ کو غالباً اُن کے دوسرے بیان کے آخری ٹکڑے سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس آیت کا علم کسی دوسرے صحابی کو تھا ہی نہیں، لیکن اگر آپ اُن کا پورا بیان اپنے سامنے رکھیں، تو یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی، کہ محض ایک صحابی کے کہنے سے کوئی آیت قرآن میں داخل کی گئی، خاص طور سے اُن کے یہ الفاظ قابل غور ہیں، فقدت آیة اسمع فتتبعت القرآن یعنی وہ کہتے ہیں کہ وہ آیتیں سورۂ توبہ اور سورۂ احزاب کا جزء تھیں، اور میں نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا تھا، مگر ان کے نوشتے تلاش کے بعد ملے، اس بارے میں حافظ ابن حجر کا بیان ملاحظہ ہو،

والحق ان المراد بالنفی وجودها	حضرت زیدؓ نے آیت کے نہ ملنے کا جو ذکر کیا
مکتوبة لا نفی کونها محفوظة،	ہے، اس سے اُن کی مراد یہ نہیں ہے کہ وہ آیت
	اب محفوظ و مامون نہیں تھی، بلکہ اُن کا مقصد
	یہ تھا کہ اُن کو اس کی تحریر عام صحابہ کے پاس
	نہیں بلکہ محض ایک صحابی کے پاس ملی،

[1] بخاری جلد ۲ باب جمع القرآن ص ۷۰۵،

اور تحریری شہادت پر زور اس لئے دیا جا رہا تھا کہ

وکان غرضھم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم من مجرد الحفظ، (فتح الباری ج ۹ ص ۱۰)

ان حضرات کی غرض یہ تھی کہ قرآن بالکل اسی ترتیب اور ان ہی نوشتون کے مطابق لکھا جائے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی، اور جن کے مطابق آپ نے کاتبین وحی کو لکھوایا تھا، محض ذاتی یادداشت سے نہ لکھا جائے، (کیونکہ اس مین غلطی ہو سکتی تھی)

اس موقع پر ایک اور بات ذہن مین رکھنے کی ہے، جو جمع و ترتیب کے سلسلہ مین عموماً خلجان کا سبب بنتی ہو؛ قرآن کی جمع و ترتیب کی بحث کے ضمن مین دو موقع پر یہ ذکر آتا ہے کہ فلان فلان آیتین فلان فلان صحابی کی تحریری شہادت کی بنا پر قرآن مین داخل کی گئین، ایک سورہ توبہ کی آخری دو آیتین، دوسری سورۂ احزاب کی آیت رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ، سورہ توبہ کی آیتون کی تحریر جن صحابی کے پاس ملی تھی، ان کا نام ابو خزیمہ ہے، اور سورہ احزاب کی آیت کا نوشتہ جن کے پاس ملا تھا، ان کا نام خزیمہ بن ثابت انصاری ہی ہو، مگر دونون نامون مین بڑی حد تک مشابہت ہو، اس لئے عام طور پر محدثین سے اُن کے بارے مین تسامح ہو جاتا ہے، جس سے عام قاری کو بڑی پریشانی ہوتی ہے حتی کہ امام بخاری سے بھی مسامحت ہو گئی ہے، چنانچہ انھون نے سورۂ توبہ کی تفسیر مین لکھا ہے کہ اسکی آخری آیتین خزیمہ انصاری رضؓ کے پاس تھین، مگر یہی روایت جب وہ باب جمع القرآن مین لائے، تو انھون نے اُن کا نام خزیمہ کے بجائے ابو خزیمہ انصاری لکھا ہے، پھر سورۂ احزاب کی تفسیر مین دوبارہ خزیمہ انصاری رضؓ کا نام لیا ہو، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی آیتین جن کے پاس ملین ان کا نام ابو خزیمہ تھا، اور سورۂ احزاب کی آیت جن کے یہان دستیاب ہوئی اُن کا نام خزیمہ انصاری ذو الشہادتین ہی،

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۱۲،

آپکے سامنے بھی یہ دونون روایتین نہین تھین بلکہ ایک روایت تھی، اس لئے آپ کے ذہن مین بھی یہی آیا، کہ چونکہ حضرت خزیمہ رضؓ کی شہادت دو کے برابر تھی، اس لئے اُن کی شہادت پر قرآن مین ایک آیت داخل کر لی گئی، اور حضرت عمر رضؓ کی شہادت دو کے برابر نہین تھی، اس لئے اُن کی شہادت رد کر دی گئی، مگر اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ قرآن مین کسی آیت کے شامل کئے جانے کا تعلق شہادت کی تعداد سے نہین تھا، بلکہ واقعی اُس کے قرآن کا جزء ہونے سے تھا، پھر شہادت اس بات پر تو لی بھی نہین گئی تھی کہ یہ آیت قرآن کا جزء ہے یا نہین، کیونکہ یہ تو ایک معلوم و مشہور بات تھی، بلکہ شہادت اس بات پر لی گئی، اور تحقیق اس کی کی گئی تھی، کہ ان آیتون کی ترتیب اور اُن کا موقع و محل عہد نبوی کے نوشتون مین کیا ہے؟

(مجیب)

آثارِ علم و ادب

مکاتیبِ اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(۵۴)

مخدومی مولٰینا!　　السّلام علیکم

سید راس مسعود اصرار کرتے ہین کہ لاہور سے ۲۰ر اکتوبر کی صبح کو پشاور کی طرف روانہ ہون، شام کو پشاور پہنچ جائین گے، رات بھر وہان ٹھہر کر ۲۱ر کی صبح کو روانہ کابل ہون گے، آپ ایسا انتظام کرین کہ یا تو ۲۰ر کی صبح کو لاہور پہنچین یا ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچ جائین، امید کہ آپ کو پاسپورٹ اس سے پہلے مل جائے گا، میرا پاسپورٹ کل مل جانے کی توقع ہے، البتہ ملازم کا دو تین روز بعد ملے گا، زیادہ کیا عرض کرون، امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا،

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہم سے ۲۱ر کی صبح کو پشاور مین مل جائین، اگر ہم پہلے پہنچین گے تو آپکے لئے آدمی اسٹیشن پر بھجوا دیا جائیگا،

اس کارڈ کے جواب مین فوراً خط لکھئے تاکہ آپکے انتظامات کا حال معلوم ہوجائے،

مخلص محمد اقبال

۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۵۵)

جناب مولٰینا:-　　السّلام علیکم

اس سے پہلے ایک کارڈ آپ کی خدمت مین لکھ چکا ہون، اور ایک ملفوف خط بھی لکھ چکا ہون، پاسپورٹ ۱۹ر اکتوبر سے پہلے ہم سب کو مل جائین گے، اب فیصلہ یہ ہے کہ ہم ۲۰ر اکتوبر کو لاہور سے صبح کی ٹرین مین پشاور کو روانہ ہون، اور ۲۱ر کی صبح کو کابل روانہ ہون، جلدی اس واسطے ہے کہ نومبر مین وہان سردی ہوجاتی ہے، سید راس مسعود ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچ جائین گے، آپ بھی مہربانی کرکے ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچ جائیے، یا ۲۰ر کی صبح کو ایسے وقت پہنچئے کہ آپ ہمارے ساتھ ۲۰ر کی صبح کو میل ٹرین مین سوار ہوسکین، قونصل خانہ سے جو آدمی ہمارے ہمراہ جائیگا، وہ بھی لاہور ہی سے ساتھ ہوگا، زیادہ کیا عرض کرون، جب ملاقات ہوگی تو مفصل عرض کرون گا، اس انتظام کے لئے قونصل جنرل صاحب کو اطلاع دیدی ہے،　　والسّلام

مخلص محمد اقبال

۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۵۶)

مخدومی: آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے، مین اس سے پہلے ایک ملفوف خط ارسال خدمت کر چکا ہون، آپ ۱۹ر اکتوبر کی شام کو لاہور پہنچ جائیے، یہان سے ۲۰ر اکتوبر کی صبح پشاور روانہ ہوجائین گے، سید راس مسعود بھی ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچین گے، قونصل جنرل صاحب کو بھی آپ تار دیدین کہ آپ ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچ جائین گے،

اگر آپ کو پاسپورٹ، ار کو مل جائے تو مجھے تار دینے کی ضرورت نہین، قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطلع کرین اور لاہور ۱۹ر کی شام کو پہنچ جائیے،　　والسّلام

محمد اقبال　　۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۵۷)

جناب مکرم! السلام علیکم

آپ کا تار کل ملا جس سے معلوم ہوا کہ ۱۸ اکتوبر تک آپ کو پاسپورٹ نہیں مل سکا، ممکن ہے ۱۹ اکتوبر تک مل جائے

ہم یعنی سید راس مسعود اور میں ۲۰ کی صبح کو لاہور سے روانہ ہوں گے، تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں، اگر آپ ۲۱ کی صبح تک بھی پشاور پہنچ سکیں، تو خوب ہے، ڈین ہوٹل میں رات بسر ہوگی، یہ ہوٹل پشاور چھاؤنی کے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے، آپ وہیں کے پتہ پر ہم کو تار دیدیں، ہم آپ کی گاڑی کا انتظار کریں گے، اور اسٹیشن پر آپ کے لئے آدمی بھیج دیا جائے گا، اگر آپ کل شام یا ۲۰ کی صبح کو لاہور پہنچ سکیں، تو ٹکٹ صرف لاہور ہی تک کا خرید کریں جیسا کہ میں [illegible] دے چکا ہوں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ٹکٹ پشاور چھاؤنی اسٹیشن تک کا خرید کریں، آپکے تمام مصارف ادا کئے جائیں گے، امید کہ آپ بخیریت ہوں گے، اور آپ کی معیت سے ہم سب مستفیض ہوں گے، والسلام

محمد اقبال لاہور

۱۰ / اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۵۸)

لاہور

۱۸ / نومبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب قبلہ مولانا السلام علیکم

معارف سے معلوم ہوا کہ آپ مع الخیر وطن پہنچ گئے،

یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن عربی کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص کی یاد دہانی کے لئے لکھتا ہوں، مجھے چند روز تک اس کی ضرورت پڑے گی، اس واسطے التماس ہے کہ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے ممنون فرمائیے،

شاہ نادر کی شہادت کا قلق ہوا، خدا تعالیٰ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے، انشاء اللہ افغانستان میں امن و امان

رہے گا، میں نے شاہ ظاہر کو تار دے دیا تھا، جس کا جواب پرسوں موصول ہوا، صدر اعظم صاحب کا تار بھی آیا تھا، امید کہ آپ نے بھی ان کو خیریت کا تار دیا ہوگا، زیادہ کیا عرض کروں،

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا، والسلام

محمد اقبال

(۵۹)

لاہور

۹ / دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی! السلام علیکم

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا، الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا،

مولوی نور الاسلام کا رسالہ فی تحقیق المکان کی نقل رامپور کتب خانہ سے آگئی ہے، اب آپکے ایفائے وعدہ کا انتظار ہے، امید ہے کہ آپ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے شکر گذاری کا موقع دیں گے، زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا، والسلام

مخلص محمد اقبال

(۶۰)

لاہور

۱۵ / دسمبر ۳۳ء

مخدومی جناب مولانا السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے تلخیص کے لئے نہایت شکر گذار ہوں، اگر اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک خیال

یا سوال پیدا ہوا ہے جس کا پوچھنا ضروری ہے،

اگر دہر مستمر اور حقیقت مین اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے؟ جس طرح زمان دہر کا ایک طرح سے عکس ہے، اُسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہیئے، یا یون کہئے کہ زمان و مکان دونون کی حقیقت اصلیہ دہر ہی ہے، کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے؟ اس کا جواب شاید فتوحات ہی مین ملے، مہربانی کرکے تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمایئے، اور دیکھیئے کہ کیا انھون نے مکان پر بھی کچھ بحث کی ہے، اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق اُن کے نزدیک کیا ہے، اس زحمت کے لئے معافی چاہتا ہون، اور جواب جہان تک ہو جلد مانگتا ہون،

مین نے زمان و مکان کے متعلق تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانون نے بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کیا ہے، اور اس غور و فکر کی "تاریخ" لکھی جاسکتی ہے، یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہین، میرے خیال مین آپ کو چاہیئے کہ اس کام کو اپنی زندگی کے اہم مقاصد مین شمار کرین،

جواب کا انتظار رہے گا، والسلام

مخلص محمد اقبال

(۶۱)

لاہور

۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء

مخدومی السلام علیکم

دنیا اس وقت عجیب کشمکش مین ہے، جمہوریت فنا ہو رہی ہے، اور اس کی جگہ ڈکٹیٹرشپ قائم ہو رہی ہے، جرمنی مین مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جارہی ہے، سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے، تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ مین) بھی حالتِ نزع مین ہے، غرض کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے، ان حالات مین آپ کے خیال مین اسلام اس جدید تشکیل کا کہان تک ممد ہو سکتا ہے، اس مبحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمایئے

اور اگر کوئی کتابین ایسی ہون جن کا مطالعہ اس ضمن مین مفید ہو تو اُن کے نامون سے آگاہ فرمایئے، والسلام

محمد اقبال

(۶۲)

لاہور

۲۴ر جنوری ۱۹۳۴ء

مخدوم و مکرم السلام علیکم

کچھ روز ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا، غالباً آپ کی عدیم الفرصتی جواب سے مانع رہی، اس خط کے جواب کا انتظار رہے،

کل مین آپ کے پرانے خطوط پڑھ رہا تھا، جو میرے پاس محفوظ ہین، اُن مین سے ایک خط مین آپ نے یہ لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کو اختیار ہے کہ جب اُسے معلوم ہو کہ بعض شرعی اجازتون مین فساد کا امکان ہے تو ان اجازتون کو منسوخ کر دے، عارضی طور پر یا مستقل طور پر، بلکہ بعض فرائض کو بھی منسوخ کر سکتا ہے[1]؟ اس وقت آپ کا خط میرے سامنے نہین ہے، حافظہ سے لکھ رہا ہون کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کا حوالہ کہان سے ملے گا؟ مہربانی کرکے اس کتاب کا پتہ دیجئے جس مین یہ مسئلہ درج ہے،

۲- کیا یہ صحیح ہے کہ متعہ (نکاح موقت) حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمانون مین مروج تھا، اور حضرت عمرؓ نے اُسے منسوخ کر دیا، نیز زمانہ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے؟

سفرنامہ کابل بہت دلچسپ ہے، ممکن ہے آپ کو ایک دفعہ وہان پھر جانا پڑے،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

مخلص محمد اقبال

[1] ڈاکٹر صاحب کے حافظہ نے غلطی کی ہے، ملتوی کی جگہ منسوخ لکھ گئے ہین،

(۶۳)

لاہور

یکم فروری ۱۹۳۴ء

جناب مولانا! السلام علیکم

۱۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے بہت شکر گذار ہون، مین نے آپ کا پہلا خط پھر دیکھا ہے آپ نے جو کچھ لکھا ہے، درست ہے، مگر مین ان معاملات کی فہرست چاہتا ہون جن کے متعلق راے قائم کرنا امام کے سپرد ہے اور جرائم مین ایسے جرم مین جن کی تعزیر غالبًا قرآن شریف مین مقرر ہے، ان کے متعلق امام کیونکر راے دے سکتا ہے؟

۲۔ آپ فرماتے ہین کہ تواتر عمل کی ایک مثال نماز ہے، مالکیون اور حنفیون اور شیعون مین جو اختلاف صورت نماز مین ہے، وہ کیونکر ہوا؟

۳۔ ایک سوال اور پوچھنے کی جرأت کرتا ہون (۱) احکام منصوصہ مین توسیع اختیارات امام کے اصول کیا ہین؟ (۲) اگر امام توسیع کر سکتا ہے، تو اُن کے عمل کو محدود بھی کر سکتا ہے؟ اس کی کوئی تاریخی مثال ہو تو واضح فرمایئے (۳) زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے؟ اسلامی فقہا کا مذہب اس بارے مین کیا ہے؟ قاضی مبارک مین شاید اسکے متعلق کوئی فتویٰ ہے، وہ فتویٰ کیا ہے؟ اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے تو کیا یہ بات شرعِ اسلام کے موافق ہو گی یا مخالف؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماعِ معاشرت سے گہرا تعلق ہے، کیا یہ بات بھی راے امام کے سپرد ہو گی؟ (۴) صدقات کی کتنی قسمین اسلام مین ہین؟ صدقہ اور خیرات مین کیا فرق ہے؟ تکلیف تو آپ کو ان سوالون کے جواب مین ہو گی، مگر مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس زحمت کے لئے معاف فرمائین گے۔

تعلیمی مشورت کے لئے جو جلسے آپ کے آنے سے پہلے ہوئے، ان کے متعلق کچھ نوٹ سید راس مسعود نے لئے تھے ان کی خدمت مین ہم دونون کے علاوہ سردار فیض محمد خان وزیر خارجہ اور افغانی تعلیمی بورڈ کے ممبر، غالبًا ترکی تعلیمی مشیر شامل تھے، سرور خان کے خطوط بھی آئے تھے، والسلام

مخلص محمد اقبال

(۶۴)

لاہور

۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

مخدومی مولانا، السلام علیکم

یہ خط اعظم گڈھ کے پتہ پر لکھتا ہون، معلوم نہین کہ آپ ابھی علی گڈھ ہی مین ہین، یا وہان سے واپس آ گئے، راغب اصفہانی نے مفردات مین لفظ نبی کی تشریح مین لکھا ہے کہ لفظ نبی کے دو معنی ہین، خبر دینے والا اور مقام بلند پر کھڑا ہونے والا، اول الذکر نبی ہمزہ کے ساتھ اور دوسرا بغیر ہمزہ کے، اس ضمن مین راغب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے یعنی حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ مین نبی بغیر ہمزہ کے ہون، یہ صحاحِ ستہ مین ہے یا نہین؟[۱]

قرآن شریف مین جن انبیاء کا ذکر ہے، ان مین کون سے نبی بالہمزہ ہین، اور کون سے بغیر ہمزہ؟ یا سب کے سب بغیر ہمزہ ہین؟[۲]

۲۔ لفظ نار کا روٹ عربی زبان مین کیا ہے؟[۳]

۳۔ لفظ نجات کا روٹ کیا ہے، اور روٹ کے رو سے اس کے معنی کیا ہین؟ غالبًا راغب ہی نے لکھا ہو کہ اس کے معنی بلندی کے ہین؟

نمبر ایک مین جو سوال مین نے لکھا ہے وہ بڑا اہم ہے، کیونکہ اگر قرآنی انبیاء یا حضور رسالت مآب نبی بغیر ہمزہ ہین تو لفظ نبی کا انگریزی ترجمہ (Prophet.) جس کے معنی خبر دینے والا کے ہین، کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

---

[۱] یہ حدیث صحاح مین نہین، آپ نے اس لئے نبی کہنے سے منع فرمایا کہ لغت کی رو سے منصب دار نبوت کے لئے نبیٔ لفظ ہے نبی نہین

[۲] یقینًا سب کے سب نبیٔ بالہمزہ کے ہین [۳] ن ور معلوم ہوتا ہے، اس روٹ کے اصلی معنی چمک کے معلوم ہوتے ہین، نور، روشنی، نار آگ، نَورہ چونا، نورۃ کلی، سب اسی ایک مفہوم کے مظاہر ہین [۴] ن ج و، معنی بلندی کے یعنی جو سیلاب کے وقت پناہ کی جگہ بن سکے، اسی سے نجوۃ ہے، اسی سے موجودہ نجات ہے

امید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا،

آپ کا سفر نامۂ افغانستان خوب ہے لوگون نے بہت پسند کیا، ہان ایک ضروری بات یاد آگئی، یہان ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہ کے تفہیمات الٰہیہ کی دوسری جلد ہے، جو شاہ عاشق حسین (شاگرد شاہ ولی اللہ) کی لکھی ہوئی ہے، کیا ندوہ کے کتب خانہ مین یہ کتاب موجود ہے، مولوی نواب صدر یار جنگ کے یہان جو نسخہ ہے، وہ پہلی جلد ہے یا دوسری یا دونون ؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے ؟ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید معارف مین اس کے اردو ترجمہ کا اعلان کیا گیا تھا، والسّلام

مخلص محمد اقبال

(۶۵)

بھوپال، شیش محل

۱۹ر جولائی ۱۹۳۵ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب

السّلام علیکم : مین گلے کے برقی علاج کے لئے کچھ مدت کے لئے بھوپال مین مقیم ہون، اس خط کا جواب بپین مذکورۂ بالا پتہ پر عنایت فرمائیے،

۱- کیا فقہ اسلامی کی رو سے توہینِ رسول قابلِ تعزیر جرم ہے[1]، اگر ہے تو اس کی تعزیر کیا ہے[2] ؟

۲- اگر کوئی شخص جو اسلام کا مدعی ہے یہ کہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالت مآب پر جزوی فضیلت حاصل ہے اس واسطے کہ مرزا قادیانی ایک زیادہ متمدن زمانہ مین پیدا ہوئے ہین، تو کیا ایسا شخص توہینِ رسول کے جرم کا مرتکب ہے ؟ بالفاظ دیگر اگر توہینِ رسول جرم قابلِ تعزیر ہے، تو عقیدۂ مذکور توہینِ رسول کی حد مین آتا ہے یا نہین[3] ؟

---

[1] بے شبہ [2] تعزیر حسب رائے امام قید سے لیکر قتل تک [3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو جزوی فضیلت حاصل ہونا جائز ہے، اور ایسا کہنا نہ کفر ہے نہ توہینِ نبی کا باعث ہے، البتہ مقتضائے محبت کے خلاف ہے اور پھر یہ بھی دیکھنا ہے

۳- اگر توہینِ رسول کی مثالین کتب فقہ مین مذکور ہون تو مہربانی فرما کر ان مین سے چند تحریر فرمائیے، کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ان مین سے چند تحریر فرمائیے[4]

امید کہ اس عریضہ کا جواب جلد ملے گا، زیادہ کیا عرض کرون میری صحت پہلے سے بہتر ہے، امید ہے اس دفعہ کے علاج سے زیادہ فائدہ ہوگا؛

والسّلام

مخلص محمد اقبال (لاہور)

حال وارد :- بھوپال (باقی)

(بقیہ حاشیہ ص ۷۲) کہ یہ جزوی فضیلت حقیقت مین فضیلت کے شمار مین ہے بھی، مثلاً زیادہ متمدن زمانہ مین ہونا کوئی فضیلت نہین، کیونکہ خود تمدن نہ کوئی دینی فضیلت ہے نہ اخلاقی نہ عقلی، بلکہ ممکن ہے کہ اس کے بعد اور بھی دنیا زیادہ متمدن ہو جائے، تو اس زمانہ کے آدمی پر بھی اس زمانہ کے آدمی کو فوقیت ہو جائے، اور اگر یہ امر باعثِ فضیلت ہو تو غلام احمد قادیانی کیا، اقبال سیالکوٹی کو بھی یہ جزوی فضیلت حاصل ہے، بلکہ غلام احمد سے زیادہ، کیونکہ مرزا صاحب نے صرف اس کو دور سے دیکھا ہے، مجھ کو دیکھا اور آزمایا نہین۔ [4] یہ نقل کفر مجھ سے نہ ہوگا، آپ الصارم المسلول علی شاتم الرسول دیکھ لیجئے

محمد علی

ذاتی ڈائری کے چند ورق

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کے سوانح و حالات و وقائع زندگی جو صاحب تفسیر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق کے ذاتی مشاہدہ و تجربہ مین آئے، اس مین اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، محمد علی مرحوم کیا کچھ تھے اسکی صحیح تصویر آپ کو اس کتاب مین نظر آسکتی ہے، اس کا دوسرا حصہ زیر طبع ہے،

قیمت :- ۸ روپے

"منیجر"

ادبیات

آج کل

از جناب سید اختر علی صاحب تلہری

بدلی ہوئی مشیّتِ یزداں ہے آج کل
بے رنگ دہر کا چمنستاں ہے آج کل

ہر برگ پر رقم ہے تباہی کی داستاں
سامان عبرتوں کا گلستاں ہے آج کل

طوفان باد فتنہ و غارت ہے پُر خروش
دنیائے صلح و امن پریشاں ہے آج کل

آدم کی وحشتوں کے ہیں جھونکے شباب پر
شمعِ سکونِ جان تہِ داماں ہے آج کل

عفریتِ بدخصال ہے خنداں مثالِ گل
انسانیت کا چاک گریباں ہے آج کل

انسان کی عشرتوں کا یہ پُر نور گل کدہ
تاریک تر ز کلبۂ احزاں ہے آج کل

چاروں طرف بپا ہیں وہ فتنے کہ الاماں
نوعِ بشر جحیم بداماں ہے آج کل

وہ عزتِ حرم ہو کہ ہو عزتِ وطن
سب کچھ حصولِ جاہ پہ قرباں ہے آج کل

صدق و خلوص رومیں سیاست کی بہ گئے
جنس فریب و مکر فراواں ہے آج کل

دل میں ہے زہر اور زبانوں پہ شہد ناب
دنیا کی زندگی کا یہ عنواں ہے آج کل

جنگ و جدال میں ڈھونڈھ رہا ہے نجات کو
کس درجہ دور عقل سے انساں ہے آج کل

تھا جس پہ ناز ہم کو وہ روحانیت کا ذوق
پامالِ فکر خستہ بداماں ہے آج کل

بدلا ہے رنگ دہر کا ایسا کہ ہر طرف
درد و فغان و آہ کا ساماں ہے آج کل

عزم ملک شگاف ہو یا فکر ارجمند
سب نذر پائے دوسی جاناں ہے آج کل

اس انقلابِ دہر نے دل ہی بدل دیا
پہلے جو تھا چمن وہ بیاباں ہے آج کل

ایسا بھی کوئی ہے جسے انسان کہہ سکیں
ہندو ہے کوئی کوئی مسلماں ہے آج کل

اختر وہ ذوقِ عشرتِ رندانہ کیا ہوا
شام و سحر وظیفۂ قرآں ہے آج کل

غزل

از نواب زادہ سید شمس الحسن خان صاحب

ہر منزلِ خودی سے محبت گذر گئی
مستی بھری کسی کی نظر کام کر گئی

اب سامنے ہے کوئی تو اٹھتی نہیں آنکھ
بیباکیٔ نگاہِ محبت کدھر گئی

کیا ہوتا اگر وہ رہتی نظروں میں کچھ دیر
اتنی سی دیر میں تو قیامت گذر گئی

عرضِ نگاہِ شوق بھی جس کو نہ کر سکی
وہ کام میری آتشِ خاموش کر گئی

جس آرزو کو سمجھا تھا سرمایۂ حیات
وہ آرزو بھی آج نظر سے اتر گئی

اے حسنِ یار تونے تو دیکھا نہیں اسے
چمکی تھی ایک برق نہ جانے کدھر گئی

ویرانۂ حیات کی اللہ رے وحشتیں
وہ کیا گئے کہ رونقِ دیوار و در گئی

ان کی تو آن رہ گئی میں مٹ گیا تو کیا
کچھ غم نہیں جو آہ مری بے اثر گئی

وہ کیا ڈرے گا جس کو یقیں ناخدا پہ ہو
طوفان میں بھی کشتیٔ دل بے خطر گئی

کیا کیا گھٹائیں اٹھی ہیں دل سے کہ الاماں
اس رخ پہ جب وہ زلفِ معنبر بکھر گئی

دیکھیں حریمِ ناز سے آتا ہے کیا جواب
لیکر پیامِ شوق نسیمِ سحر گئی

اے شمس اپنے حال پہ روتا ہے تو مگر
کس کو خبر کہ حسن پہ خود کیا گذر گئی

غزل

از جناب عارفؔ عباسی

ایک بھولا ہوا انداز کرم یاد آیا ہائے وہ وقت کہ جب اُن کا ستم یاد آیا

غیر ممکن ہے کہ قید تعین سے نجات دیر جب یاد نہ آیا تو حرم یاد آیا

رات کیوں تجھ جہاں رک سی گئی تھی کو دو دست ہاں تری یاد مین مصروف تھے ہم یاد آیا

بڑھ کے لبیک کہا ذوقِ جراحت نے مرے حسن کو جب کوئی عنوانِ ستم یاد آیا

تذکرہ تھا نگہ لطف و عنایت کا کہین مجھکو اپنا دلِ بربادِ کرم یاد آیا

ایک مرکز پہ کہین رہتی ہے شوریدہ سری دل جو گھبرایا سرِ تربت سحر تو غم یاد آیا

دامنِ گل پہ نظر آئی جو شبنم عارفؔ جانے کیون مجھ کو مرا دیدۂ نم یاد آیا

آئینۂ حیرت

از جناب عبدالمجید حیرتؔ شملوی

جس ترقی کا اس قدر غل ہے، وہ ترقی نہیں تنزل ہے

ہے تو سینہ مین دل مگر خاموش شمع محفل مین ہے، مگر گل ہے

جب تغافل نہ تھا، توجہ تھی، اب توجہ نہین، تغافل ہے

حُسنِ خود بین کا اک بڑا فتنہ وہ بھی ہے جس کا نام کاکل ہے

ہم کو نسبت ہے اُس گلستان سے جس گلستان کا خار بھی گل ہے

نہ سہی امن و عافیت پیہم کشمکش مین تو اک تسلسل ہے

ہم نفس کوئی دور تک بھی نہین نغمہ یون بھی نوائے بلبل ہے

ان سے کیا بحث کیجئے حیرتؔ جن کے نزدیک جزو ہی کل ہے

مطبوعات جدیدہ

فتنۂ پرویز و حقیقتِ حدیث از جناب ایم عبدالرحمٰن صاحب، تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ؏ پتہ: ایم نثار اللہ خان نمبر ۲۷ ریگل روڈ لاہور۔

کلام مجید ایک اصولی کتاب ہے جس میں زیادہ تر بنیادی و اصولی احکام و قوانین ہیں، جن کی جزئیات کی تصریح و تفصیل احادیث نبوی سے معلوم ہوتی ہے، اس لئے اگر اُن کو نہ مانا جائے تو بہت سی دینی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور آیات قرآنی میں بھی من مانی تاویلات کی گنجائش نکل آتی ہے، مگر حدیثوں کے صریح انکار سے اس قسم کے نام نہاد مسلمانوں کا پردہ بالکل فاش ہو جاتا ہے، اور عام مسلمان اُن کے فریب میں نہیں آسکتے، اس لئے وہ حدیثوں کی صحت کو مشتبہ قرار دے کر تمسک بالقرآن کے پردہ میں اُن کے دینی حجت ہونے سے انکار کرتے ہیں جس سے اُن کو بہت سی دینی پابندیوں سے نجات مل جاتی ہے، اس فتنہ کی تردید میں بہت لکھا جا چکا ہے، مذکورہ بالا کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک مفید کوشش ہے، اس میں خصوصیت کیساتھ منکرین حدیث کے امام وقت مرزا غلام احمد کے ہم نام غلام احمد پرویز کے ہفوات کی تردید کی گئی ہے، اور ان کی تحریروں سے منکرین حدیث کے اصل مقصود یعنی، دینی پابندیوں سے فرار، قرآن مجید کی معنوی تحریف اور اطاعت رسول سے انحراف وغیرہ کو دکھایا گیا ہے، اور منکرین حدیث کی جانب سے حدیثوں کی صحت اور اُن کے دینی حجت ہونے پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کا جواب دیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں حدیث کی دینی حیثیت، اطاعت رسول کے قرآنی احکام، قرن اول میں حفظ حدیث، اسکی صحت و حفاظت کے اہتمام اس کے ذرائع حفظ و کتابت، اصول روایت و درایت اور تدوین حدیث کی تاریخ

پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور حدیثوں کی کثرت کے متعلق مبالغہ آمیز بیانات کی تردید کی گئی ہے، اور آخر میں منکرین حدیث کے تقلید سلف سے گریز، دین کی تخریب اور اس کی مخالفت میں اُن کے اور کمیونسٹوں کے خیالات میں مشابہت دکھائی گئی ہے، خالص علمی و تحقیقی حیثیت سے اس موضوع پر اس سے بہتر کتابیں موجود ہیں، مگر یہ کتاب بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، اور اس میں پرویز کی تحریروں سے انکا تضاد بیان اور دین سے منکرین حدیث کا فرار خصوصیت کے ساتھ بڑی خوبی سے دکھایا گیا ہے، جناب طالوت کا مقدمہ بہت دلچسپ اور ان کی طرز خاص کا اچھا نمونہ ہے،

تذکرہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی و ترجمہ رسالہ مناقب از مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۴ صفحات، کاغذ کتابت بہتر، قیمت مجلد عہ :- پتہ : ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی،

تاریخ گجرات مصنف کا خاص موضوع ہے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے گجرات کے بعض اکابر علماء و مشائخ کی علمی یادگاریں اور اُن کے متعلق کتابیں بھی شائع کی ہیں، اسی سلسلہ میں انھوں نے امام الحدیث فی الہند شیخ محمد طاہر پٹنی کے حالات میں اُن کے پوتے شیخ عبد الوہاب کے ایک فارسی رسالہ رسالہ مناقب کا ترجمہ کیا ہے، اور اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے، جو مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں شیخ کے سوانح، اُن کے نسبی و خاندانی حالات، تعلیم و تحصیل علم، اساتذہ، علمی و روحانی کمالات، درس و تدریس، تالیف و تصنیف، ارشاد و ہدایت، اصلاح و تزکیہ، تصانیف اور اولاد وغیرہ کا ذکر ہے، اور اس سلسلہ میں گجرات میں اسلامی حکومت کی مختصر تاریخ، شیخ کے عہد کے سیاسی اور فرقہ مہدویہ کے حالات وغیرہ اس دور کے متفرق اور مفید واقعات بھی آگئے ہیں، شیخ کے نسب کے سلسلہ میں بوہرہ قوم کی اصل و نسل پر محققانہ بحث کی گئی ہے، مقدمہ کے بعد شیخ علاء الدین کے رسالہ مناقب کا ترجمہ ہے، اور اس میں جو تاریخی غلطیاں ہیں، انکی تصحیح کر دی گئی ہے، یہ کتاب تذکرہ علماء ہند میں اچھا اضافہ ہے،

کتاب الصلوٰۃ و ما یلزم لہا مترجمہ جناب شیخ علی جواد صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۵ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، مجلد قیمت تحریر نہیں، پتہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب

آرام باغ کراچی،

نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کی تصحیح و تکمیل کے لوازم و شرائط اور ان سے متعلق احکام و مسائل پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ "کتاب الصلوٰۃ و ما یلزم لہا" کے نام سے ہے، جو عرصہ ہوا چھپ چکا ہے، مذکورہ بالا کتاب اسی کا اردو ترجمہ ہے، لائق مترجم نے اس کے شروع میں حضرت امام کے مختصر حالات و سوانح بھی تحریر کر دیئے ہیں، جس سے اس کا فائدہ بڑھ گیا ہے، یہ رسالہ نماز کی تصحیح و تکمیل کے مسائل سے واقفیت کے لئے مفید ہے،

روایات الطیب مرتبہ جناب مولانا محمد طیب صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۸۰ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہر، پتہ: ادارہ تاج المعارف دیوبند،

علماء و اخیار کی زندگی کا کوئی واقعہ بھی فائدے اور سبق سے خالی نہیں ہوتا، دیوبند کے سلسلہ کے اکابر کے ایسے بہت سے واقعات ہیں، جو عام طور سے معلوم و مشہور نہیں ہیں، اور بطور روایت کے سینہ بسینہ منتقل ہوتے چلے آتے ہیں، فاضل مرتب نے افادۂ عام کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز صاحب، مولانا شاہ عبد القادر صاحب، مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا شاہ محمد اسحٰق اور حضرت سید احمد بریلوی کے سبق آموز نادر واقعات کو مرتب کر کے شائع کر دیا ہے، اس میں معمولی واقعات بھی ہیں، اور اہم بھی، مگر کوئی واقعہ بھی کسی نہ کسی مفید سبق سے خالی نہیں ہے، مرتب نے ان کو شائع کر کے ایک مفید خدمت انجام دی ہے،

مینا بازار مرتبہ و مترجمہ جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۱ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عار، پتہ منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد،

مینا بازار جو عام طور سے ظہوری کی جانب منسوب ہے، اور جس کے مصنف کی تحقیق کے بارہ میں دو فاضلوں کے درمیان معارف میں مباحثہ چل رہا ہے، قدیم فارسی درسیات کی مشہور کتاب ہے، اور اس زمانہ میں بھی وہ یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے، اس لئے ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی نے اس کو تصحیح و تحشیہ، ترجمہ و تشریح اور مقدمہ کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، مقدمہ میں مینا بازار پر مختصر تبصرہ اور اس کے مصنف کی تحقیق کی گئی ہے، اس کے بعد اصل

کتاب ہی اور آخر میں اس کا ترجمہ حل لغات اور تشریح ہے، تشریح میں جا بجا اس کے ادبی محاسن کی بھی وضاحت کی گئی ہے، یہ ترجمہ اور تشریح فارسی کے طلبہ کے لئے بہت مفید اور کار آمد ہے،

شیخ نیازی از جناب رشید احمد صاحب صدیقی تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۸ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ؏ پتہ: سرسید بک ڈپو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،

یہ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا پرانا اور نہایت دلچسپ افسانہ ہے جس میں شیخ نیازی کے بچپن کے واقعات کو بڑے دلکش پیرایہ میں لکھا گیا ہے جن لوگوں کو شیخ نیازی سے تعارف حاصل ہے، وہ ان کی خصوصیات سے واقف ہونگے، اس افسانہ میں ان کی قلندرانہ شان معصومیت بھولے پن، عادات، خصائل، مشاغل و مصروفیتوں بھائی بہنوں سے صلح و جنگ، مرغوبات لباس و وضع قطع وغیرہ کو اپنے خاص انداز میں لکھا ہے، اور شیخ نیازی کے پردہ میں بچپن کی معصوم زندگی کی بڑی دلکش مصوری کی ہے، اس لئے یہ کتاب نہ صرف بچوں بلکہ بوڑھوں کے لئے بھی دلچسپ ہے، اس کے آخر میں دو اور مختصر افسانے ہیں، اس کا پہلا اڈیشن کئی سال ہوئے شائع ہوا تھا، اب ترمیم و اضافہ کے بعد دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس اڈیشن میں شیخ صاحب کی تصویر اور زیادہ دلچسپ ہو گئی ہے،

آسان ریاضی حصہ سوم مرتبہ جناب شوکت علی صاحب بی اے، ایل ٹی تقطیع اوسط ضخامت ۶۴ صفحات کاغذ، کتابت وطباعت معمولی قیمت ۱۲؍ پتہ: مکتبہ جماعت اسلامی ہند، ریاست رام پور،

جماعت اسلامی ہند نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے مذہبی نصاب کے ساتھ تاریخ جغرافیہ اور ریاضی وغیرہ کا بھی پورا نصاب مرتب کیا ہے جس میں اسلامی رنگ پیدا کرنے کا ممکن حد تک لحاظ رکھا ہے، مگر ریاضی میں اس کی گنجایش بہت کم ہے تاہم مشق و مثالوں میں جہاں تک گنجایش نکل سکی ہے اس کتاب میں اسکا لحاظ رکھا گیا ہے،

"م"

جلد ۷۵ ماہ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۵ء عدد ۲

مضامین